فضل حق خیرآبادی
اور اسمٰعیل دہلوی کے سیاسی کردار کا تقابلی جائزہ
امتیازِ حق
راجا غلام محمد
صدر ادارہ ابطالِ باطل لاہور
مکتبہ قادریہ ۰ لاہور

فضل حق خیرآبادی اور اسمٰعیل دہلوی کے سیاسی کردار کا تقابلی جائزہ

راجا غلام مُحمّد
صدر ادارۃ ابطالِ باطل لاہور

مکتبۂ قادریّہ ○ لاہور

کتاب : ———— امتیاز حق و باطل

تالیف : ———— راجا غلام محمد، صدر ادارۂ ابطالِ باطل لاہور

کتابت : ———— قمر یزدانی

تزئین و آرائش : ———— محمد عاشق حسین ہاشمی خوشنویس، لاہور

سنِ طباعت : ———— صفر المظفر ۱۳۹۹ھ / ۱۹۷۹ء

تعداد : ———— ایک ہزار

قیمت : ———— ۵۰-۷

طابع : ایم منیر قاضی

مطبع : ملّی پرنٹرز - ۹ سرکلر روڈ - لاہور

ملنے کا پتہ

مکتبہ اشرفیہ، رضائے حبیب چوک مریدکے (شیخوپورہ)

مکتبہ غوثیہ رضویہ، غلہ منڈی، شاہدرہ لاہور

سنی رضوی کتب خانہ، نزد دربار محدثِ اعظم پاکستان جھنگ بازار فیصل آباد

اعوان سٹیشنری مارٹ، بھون روڈ، چکوال

مکتبہ فخریہ، دارالعلوم حامدیہ، بکراپیڑی کراچی

مکتبہ قادریہ ◎ لاہور

جامعہ نظامیہ رضویہ اندرون لوہاری دروازہ

فہرس

از مولینا مفتی محمد عبد القیوم قادری ہزاروی مدظلہ العالی

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقسیم ہند تک مسلمانانِ ہند کا اس بات پر اتفاق رہا ہے کہ فرقۂ وہابیہ انگریز کا کاشت کردہ پودا ہے جس کی آبیاری اس نے نہایت ہی ہوشیاری سے کی اور اس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا، یہ نظریہ کسی بدگمانی پر مبنی نہیں تھا، بلکہ اس کی بنیاد وہ حقائق ہیں جن کو خود وہابی حضرات نے بیان کیا۔ انہوں نے انگریز حکومت کو درخواست دے کر اپنے لیے "وہابی" کی بجائے "اہل حدیث" کا نام منظور کرایا (مقدمہ حیات سید احمد، از پروفیسر محمد ایوب قادری، مطبوعہ نفیس اکیڈمی، کراچی، ص ۲۶) ہندوستان میں وہابیت کی بنیاد سید احمد بریلوی اور مولوی اسمٰعیل دہلوی کے ذریعہ رکھی گئی جن کو انگریز نے اپنی نگرانی میں تحریک جہاد کے نام پر منظم کیا اور پھر ان کو بڑی حفاظت سے پٹھانوں کے علاقہ (سرحد) میں پہنچایا اور دوہرا فائدہ اٹھایا، ایک طرف اس نے وہابی تحریک کے ذریعہ صوبہ سرحد میں جہاد کے نام پر اپنے دونوں دشمنوں سکھوں اور پٹھانوں کو الجھایا، تو دوسری طرف مسلمانوں میں ہمیشہ کے لیے فتنہ پیدا کر دیا۔ قیام پاکستان تک اس تاریخی حقیقت کا کسی نے انکار نہیں کیا، بلکہ اُس وقت کے سو سالہ دور کے تمام ریکارڈ، سوانح اور تواریخ اس حقیقت کے شاہد ہیں۔ قیامِ پاکستان کے نئے موڑ کو غنیمت سمجھتے ہوئے انہوں نے تاریخ کو مسخ کرنا مناسب سمجھا اور سید احمد اور اسماعیل دہلوی کی تحریکِ وہابیت کو تحریکِ آزادی اور ان کی انگریز دوستی کو انگریز دشمنی کا نام دینا شروع کر دیا، اس بددیانتی کے سرخیل غلام رسول مہر ثابت ہوئے، جنہوں نے اپنی تصنیفات میں مسلّمہ تاریخی واقعات کو اپنے ذاتی نظریہ کے تحت بدل کر خیانت کی اور یہ اعلان کیا کہ "میں مجاہدین کی شان و آبرو کو بہر حال قائم رکھنے کا قائل ہوں، اگرچہ وہ سابقہ بیانات کے عین مطابق نہ ہو (افادات مہر، ص ۲۳۱) اسی بناء پر انہوں نے اُن وہابی قائدین کے بیانات کو بھی نظر انداز کر دیا جو اس تحریک میں شامل یا قریب سے دیکھنے اور سننے والے تھے، اسی طرح انہوں نے محل وقوع اور واقعات پر مشتمل سو سال قبل لکھی ہوئی تواریخ کا ذکر تک نہ کیا، بلکہ ان سے لاعلمی کا اظہار کر دیا، چنانچہ شیر محمد چشتی صاحب جو ابھی بقیدِ حیات ہیں، نے مہر صاحب سے تاریخ تناولیاں، تواریخ ہزارہ کے متعلق استفسار کیا، تو جواب میں اول الذکر کے متعلق فرمایا، امید نہیں کہ ہاتھ آئے اور تاریخ ہزارہ کے بارے میں لاعلمی کا اظہار کیا، حالانکہ ان دونوں کتب کے علاوہ تاریخ پشاور بھی پاکستان کی معروف لائبریریوں بلکہ لاہور کی لائبریریوں میں بھی موجود تھیں، اگرچہ حالیہ سالوں میں ان کو غائب کر دیا گیا ہے، اب بھی ناپید نہیں ہیں۔ مہر صاحب جس واقعہ کی تاریخ لکھ رہے ہیں، اس سے متعلق قدیم کتبِ تاریخ سے لاعلمی ظاہر کرنے کا مطلب ہے کہ مہر صاحب قوم کو قصداً اندھیرے میں رکھنا چاہتے ہیں، ورنہ مؤرخ ہونے کی حیثیت سے مہر صاحب واقعہ کے متعلق تاریخی کتب سے بے خبر نہیں ہو سکتے۔

درحقیقت مذکورہ کتب سید صاحب کی تحریک کا اصل رُخ واضح کرتی ہیں۔ تواریخ ہزارہ کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں؛ وہ خلیفہ سید احمد پر شک کرتے تھے کہ یہ شاید انگریزوں کے مشورے سے واسطے فتح اس ملک کے آیا ہے، جہاد کا نام فرضی مقرر کیا ہوا ہے، ص ۲۵، ۔ یہ خلیفہ سید احمد لاہور وغیرہ (سکھوں) کی طرف نہیں جاتا، یہ صرف اس کی باتیں ہیں، اصل غرض اس کی ہمارے ملک کا پامال کرنا ہے، ص ۳۰، یہ سوات میں چلے گئے وہاں بھی ان کے عقائد خلافِ شرع نے یہ اثر دکھلایا کہ اخون صاحب (موجودہ والی سوات کے دادا) نے ان کے کفر کا حکم دیا اور ان کو نکلوایا، ص ۳۷، اور انبیاء اور اولیاء وغیرہ بزرگوں کے ذکر میں گستاخانہ کلام ہمیشہ ان سے ہوتا ہے جو خلافِ شان اس عظیم الشان گروہ کے ہے، ص ۳۷، ۔ جناب راجا غلام محمد نے زیر نظر کتاب میں سید احمد اور اسماعیل دہلوی کے اصل کردار کو واضح فرماتے ہوئے اُس دَور کے مسلم قائد تحریکِ آزادی علامہ فضل حق خیر آبادی کے کارناموں کا تعارف بھی کرایا ہے، قوم راجا صاحب کی اس کوشش کی ممنون ہوگی۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد

برّصغیر ہندوستان میں تجارت کے نام پر داخل ہونے والے غیر ملکی مختلف حیلوں سے مُلک پر قابض ہو گئے ۱۷۰۷ء میں اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد سلطنت پارہ پارہ ہوتی گئی سُلطان ٹیپو شہید اور سراج الدّولہ نے آندھیوں میں چراغ جلائے مگر اندھیرے چھَٹ نہ سکے ؎

نہ ڈگمگائے کبھی ہم وفا کے رستے میں
چراغ ہم نے جلائے ہَوا کے رستے میں

مُسلمان سے کسی حکومت کا سربراہ ہو تو اس مُلک کا مالک و مختار نہیں ہوتا وُہ خدا کی نیابت کے فرائض انجام دیتا ہے اور اس نیابت کی حد تک مُسلمان کے لیے حکُمرانی لابدی ہے اسلام میں محکُومی کا تصوّر تک نہیں ہے اپنی کمزوریوں اور حالات کی ستم ظریفی کے باعث حکومت ہم سے چِھن گئی مگر ہمارا خمیر آزادی سے اُٹھا ہے، غلامی اور محکُومی ہمارے لیے قابلِ برداشت نہیں ہوتی انگریزوں نے مختلف حربوں سے ہمیں کاروبارِ حکُومت سے بے دخل کیا تھا اس نے مختلف حیلے استعمال کیے کہ ہم اپنی آزادی کی بات نہ کریں اور اس کی غلامی کے جوئے کو گلے کا ہار بنائے رکھیں اس مقصد کے لیے اس نے اپنے شہرۂ آفاق فارمولے کو بھی استعمال کیا کہ :-

"لڑاؤ اور حکُومت کرو"

اس نے مسلمانوں میں ایسے لوگ پیدا کیے، جنہوں نے کلمہ گوؤں کے خلاف کفر اور شرک کے فتوے دیئے اہلِ اسلام کے وُہ اعتقادات جن پر صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور بزرگانِ دین کے اقوال وارشادات اور اعمال و افعال کی بنیاد رہی ہے اُن کو خلافِ توحید "ٹھہرایا گیا" محبُوبِ ربّ العالمین صلّی اللہ علیہ وسلّم کی محبّت کی بیخ کنی کرنے اور سرکار کے ناموس کی حُرمت وعزّت کے تحفظ کے احساس کو ختم کرنے کے لیے کوشش کی گئی تاکہ وُہ احساس ہی نہ رہے جس پر مسلمان ظُلم اور کفر کے خلاف نبرد آزما ہونے کا حوصلہ پاتے ہیں۔

مرہٹوں اور سلطان ٹیپو کی طاقت کو ختم کرنے کے بعد پنجاب کے سکھّوں کے علاوہ صوبہ سرحد کے غیور مُسلمان ہی انگریزوں کے پورے ہندوستان پر قبضے کی راہ میں رکاوٹ رہ گئے تھے انہوں نے اپنی سرپرستی میں مسلمانوں میں سے ایک جماعت تیار کی جو سکھوں سے بھی لڑے اور سرحد کے مسلمانوں سے بھی، سرحد کے اہلِ اسلام اپنے معتقدات میں بہت سخت رہے ہیں، انہیں حبیبِ کبریا ر علیہ التحیۃ والثناء کی ذات سے محبت وعقیدت تھی اولیائے کرام اور پیروں، بزرگوں کی وہ ہمیشہ سے عزت وتکریم کرتے آئے ہیں، ایسے میں انگریز کی تیار کردہ جماعت اگرچہ حضرت رسُول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو بھی "پیرومرشد" نہیں مانتی تھی کہ انہیں (نعوذ باللہ) "مر کر مٹی میں مل جانے والا" کہتی تھی۔ مگر سرحد میں اپنے سربراہ کو پیر کے روپ میں لے کر داخل ہُوئے اس سے کچھ پٹھانوں نے اپنی روایتی عقیدت وارادت سے کام لیتے ہُوئے ان کی بیعت کی لیکن ان کے "ارشادات" سے آگاہ ہونے کے بعد ان کے مخالف ہو گئے۔

اِس تحریک سے انگریزوں نے مطلوبہ مقاصد حاصل کر لیے مسلمان دو گروہوں میں بٹ گئے اور ان کی آپس میں چپقلش سے انگریزوں نے فائدہ اٹھایا، سکھ کمزور ہو گئے اور ان کی کمزوری سے انگریز پورے ہندوستان پر قابض ہو گئے۔ یہ واقعات انیسویں صدی کے دوسرے ربع کے آغاز میں رُونما ہُوئے تیسرے ربع میں مسلمانوں نے غیر مسلم اور غیر ملکی اقتدار سے جان چھڑانے کے لیے بغاوت کی۔ تحریکِ آزادی کی چنگاریاں سُلگتی سُلگتی شعلہ بن گئیں۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں اگرچہ ہند

بھی شریک تھے مگر مسلمانوں نے جان ومال اور آبرو کی پروا نہ کرتے ہوئے انگریزوں کو اقتدار سے ہٹانے کے لیے جو قربانیاں دیں اُن کی مثال نہیں ملتی اگرچہ وہ اس میں فوری طور پر کامیاب نہ ہو سکے مگر ۱۹۴۷ء اسی خواب کی تعبیر کی واضح اور خوش آیند شکل تھا جب ہم نے آزادی کی سانس لی۔

زندہ قومیں اپنے محسنوں کو فراموش نہیں کرتیں، اپنی جد وجہد کی تاریخ کو آنے والی نسلوں کے دل ودماغ میں راسخ کرتی ہیں، اپنی کمزوریوں سے سبق سیکھتی ہیں اور اپنے اسلاف کے عزم واستقلال کے مظاہروں کو اپنے لیے راہِ عمل قرار دیتی ہیں انگریز ہمارا دشمن تھا اس نے ہماری جغرافیائی حیثیت میں بھی تبدیلی پیدا کر دی تھی اور بزعمِ خود ہمارا مالک و مختار بن بیٹھا تھا، ظاہر ہے وہ ہماری تاریخ کے ساتھ بھی انصاف نہیں کر سکتا، یہ ذمّہ داری ہماری ہے کہ ہم اپنی تاریخ کو محفوظ کریں، اس کے روشن اوراق کو مشعلِ راہ بنائیں اور اگر کہیں ہم سے کوتاہی ہوئی ہے تو آیندہ کے لیے اس سے احتراز کرنے کی روش اپنائیں، ہمیں چاہیئے کہ جن لوگوں نے جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء میں یا دوسرے موقعوں پہ اسلامی تشخص اور آزادی کے حصول کے لیے قربانیاں دیں، انگریزی اقتدار کے خلاف عَلَمِ جدّوجہد بلند کیا۔ اُن کی یاد کو حرزِ جاں بنائیں لیکن اگر ہم میں سے کچھ لوگ اس زعم میں کہ ان کے ہاتھ میں قلم ہے، وُہ جو چاہیں لکھ سکتے ہیں، ان کے پاس ذرائع ابلاغ ہیں وہ جو چاہیں چھاپ سکتے ہیں انہیں وسائل میسّر ہیں وہ اُن کے بل پر "تاریخ" بنا سکتے ہیں تو یہ بات کسی طرح ہماری قومی زندگی کے لیے سمِ قاتل سے کم نہیں ہے۔ جو قوم اپنے ہیروؤں کو بھول جائے یا قوم وملک کے نئے "محسن" وضع کرنے کی کوشش کرے اس کی حیات وبقا کے بارے میں کوئی خوش فہمی نہیں ہونی چاہیئے۔

انگریز نے "پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو" کے آزمودہ حربے کو استعمال میں لاتے ہوئے مسلمانوں کے مسلّمہ معتقدات کے خلاف "تقویۃ الایمان" لکھوائی اس مقصد کے لیے "توحید" کے نام پر رسالت مآب (صلی اللہ علیہ وسلّم) سے محبّت کو کمزور کیا گیا۔ دوسرے بہت سے لوگوں کے علاوہ مولوی اسمٰعیل دہلوی کی ان کوششوں کا مولانا فضلِ حق خیرآبادی نے جواب دیا۔ مسلمانوں کے دو طبقے بن گئے، ایک نے اسلام

کے اجتماعی مفاد میں کام کیا۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں کارہائے نمایاں انجام دیئے اور دوسرے طبقے نے لوگوں کو دین کی اصل سے ہٹانا چاہا۔ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کو کم کرکے اسلام کے لیے قربانیاں دینے کا جذبہ ختم کر دینے کی سازش کی۔ سید احمد بریلوی اور اسمٰعیل دہلوی کے ساتھی "وہابی" کہلائے اور آج تک اُن کے متبعین اجتماعی قومی مفادات کے مقابلے میں ڈٹے ہوئے ہیں جب انگریز نے ہم سے حکومت چھین لی تھی، ہماری آزادی سلب ہو گئی تھی۔ جب وقت کی اہم ترین ضرورت انگریز دل سے جنگ کرکے اپنی متاعِ گم گشتہ کی بازیابی تھی، سید احمد اور اسمٰعیل دہلوی صاحبان نے انگریزوں کے ایماء پر سکھوں اور ایسے مُسلمانوں کے خلاف جنگ لڑی جو ان کے معتقدات کو خلافِ اسلام سمجھتے تھے اور اپنے تشخص کو کسی غیر کی غلامی میں ختم کر دینے کے خلاف تھے ۱۸۵۷ء میں جب قوم جنگِ آزادی لڑ رہی تھی. "تحریکِ مجاہدین" کے باقیات منقار زیر پر رہے۔ یا انگریزوں کی خوشامد میں لگے رہے اور ان کی دی ہوئی سندیں اپنے سینوں پر سجا کر افتخار و ابتہاج کی محفلیں منعقد کرتے رہے جب جنگِ آزادی کے اثرات مابعد کے طور پر علمائے حق جان و مال اور آبرو کی قربانیاں دے رہے تھے "وہابی" اپنی کتابوں کو انگریز گورنروں کے نام معنون کر رہے تھے اور "قرآن و حدیث اور توحید" کا نام لے کر انگریزوں کے خلاف کیے جانے والے جہاد کی مخالفت میں کتابیں لکھ رہے تھے۔

پھر قلم ان "مجاہدین" کے متبعین کے ہاتھ میں آگیا تو انھوں نے تاریخ "تصنیف" کرنی شروع کر دی، جنگِ آزادی کے مجاہدین اور شہداء کے خلاف کہانیاں گھڑیں اور انگریز کے جاسوسوں کو ان کا دشمن اور جنگِ آزادی کا ہیرو ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا اس مقصد کے لیے تاریخی ماخذ کی انھوں نے تغلیط کی یا ان سے صرفِ نظر کرنا چاہا اور من گھڑت کہانیوں کی زیادہ سے زیادہ تشہیر کی ؎

خدا کی شان کہ آزر خلیل کہلائیں
دلوں میں اپنے بسائے ہوئے صنم خانے

زیرِ نظر مضمون میں ان دو دینی حریفوں کے سیاسی کردار کا جائزہ لیا گیا ہے جنہوں نے امتناع النظیر اور دیگر مسائل میں ایک دوسرے کے خلاف لکھا۔ جناب اسمٰعیل دہلوی نے ایک ایسے دین کی ترویج کی جو اسلاف کے عقائد کے خلاف اور قرآن و سنّت کے واضح احکام سے متصادم معتقدات پر مبنی تھا۔ علامہ فضل حق خیر آبادی نے قرآن و سنّت کی رُو سے ان کو خلافِ اسلام ثابت کیا اور ان کفریہ عبارات کی تغلیط کی۔ پاکستان کے مشہور نقاد محمد حسن عسکری اسمٰعیل صاحب کی کتاب اور اس کی تردید کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:۔

"یوں تو حالی کے زمانے سے بہت پہلے 'تقویۃ الایمان' شائع ہو چکی تھی اور اس بات پر پورا غدر برپا ہو چکا تھا کہ رسول کی عزت صرف اتنی کرنی چاہیئے جتنی بڑے بھائی کی۔"

ستارہ یا بادبان ص ۳۰۳
از محمد حسن عسکری

اسمٰعیل دہلوی کے پیروؤں نے دینی محاذ پر اپنی شکست کو تو عملی طور پر تسلیم کر لیا ہے کہ اب یہ لوگ "تقویۃ الایمان" کا کم سے کم ذکر کرتے ہیں، برسرِ عام حضور کو "مر کر مٹی میں مل جانے والا" کہنے کی جسارت نہیں اور اسی طرح یہ لکھتے اور کہتے نہیں کہ حضور سرورِ کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ کا نظیر دوسرا پیدا ہو سکتا ہے اب انہوں نے اسمٰعیل دہلوی، سید احمد بریلوی اور ان کے ساتھی "مجاہدوں" کے جہاد کا رُخ سکھوں اور مسلمانوں سے موڑ کر انگریزوں کی طرف کر دیا ہے اور انہیں انگریزوں کے دشمن اور آزادی کے عظیم رہنما "ثابت" کرنے کے لیے دھڑا دھڑ کتابیں اور مضامین لکھ رہے ہیں۔ نیز علامہ فضل حق خیر آبادی سے دینی محاذ پر شکست کھانے کے بعد اُن کے سیاسی کردار پر پردے ڈالنے کی کوشش شروع کر دی ہے ؎

آ کے پتھر تو مرے صحن میں دو چار گرے
جتنے اس پیڑ کے پھل تھے پسِ دیوار گرے

چونکہ انہوں نے صرف یہ طے کیا ہے کہ فضل حق سے جنگِ آزادی کی زمام چھیننی ہے

چنانچہ اس مقصد کے حصول کے لیے کوئی تو یہ کہتا ہے کہ انہوں نے محض انگریزوں کے خلاف فتویٰ دیا تھا کسی جنگ میں حصّہ نہیں لیا کوئی اور قابلِ قدر خدمت انجام نہیں دی، کوئی یہ کہتا ہے کہ فتویٰ تو انہوں نے دیا ہی نہیں اور فضل حق شاہجہانپوری کے بجائے غلطی سے انہیں پکڑ کر کالے پانی کی سزا دی گئی تھی جہاں وہ شہید ہو گئے تھے' ان تاریخ سازوں' میں سے کچھ تو جنگِ آزادی کا ذکر کرتے ہوئے فضل حق خیر آبادی کا نام لینا بھی گوارا نہیں کرتے

بھئی! امتناع النظیر کے مسئلے میں فضل حق کو آپ نے گالیاں دیں وہی کافی تھیں، کہ سیاست میں اُن کے مہتاب زا کردار کو دُھندلانے کی کوشش بھی کی جا رہی ہے ؎

بُہتان تراشی کی ضرورت نہیں لوگو!

دینے کو سزا جُرمِ محبّت ہی بہت ہے

مشہور ادیب و نقاد نادم سیتاپوری لکھتے ہیں :۔

"انگریز اور ان کے ہوا خواہ تو مولانا (فضل حق خیر آبادی) سے اس لیے ناراض تھے کہ انقلاب سن ستاون کے سلسلے میں کسی نہ کسی نہج سے اُن کا نام آ گیا لیکن خود مسلمانوں کا ایک "پروپیگنڈسٹ گروپ" مولانا سے اس لیے بیزار تھا کہ وہ ان کے مذہبی نظریات کے خلاف عالمانہ مجاہدہ کر چکے تھے یہ با وقار علمی مباحثے کوئی ذاتی اور عامیانہ جنگ نہیں تھی جس کا سہارا لے کر مولانا خیر آبادی کے خلاف ایک مستقل محاذ قائم کر دیا جاتا لیکن ہُوا کچھ ایسا ہی۔"

"غالب نام آورم" ص ۱۰۱

از نادم سیتاپوری

مزید کہتے ہیں کہ :۔

"اس میں شک نہیں کہ مولانا فضل حق کے کئی سیرت نگاروں نے مَن گھڑت جھوٹی اور بے سر و پا حکایتیں بیان کر کے مولانا کے نیک کردار کو خواہ مخواہ مُشبّہ کر نے

کی کوشش کی ہے۔" (غالب نام آورم" ص ۱۰۹)

اس سلسلے میں نادم سیتاپوری نے مفتی انتظام اللہ شہابی کے بارے میں لکھا ہے کہ:۔

"جھوٹی روایات، من گھڑت واقعات اور فرضی کتابوں کے غلط حوالے مفتی صاحب کی ادبی زندگی کا شاندار کارنامہ رہا ہے۔" (ص ۱۰۹)

پھر انہوں نے مفتی صاحب کے علامہ فضل حق پر کیے اعتراضات کے مسکت جواب دیئے ہیں۔

ھم علامہ فضل حق اور اسمٰعیل دہلوی کے تقابلی جائزے کے لیے اِن دونو شخصیتوں کے سیاسی کردار کو سامنے لائیں گے اور بتائیں گے کہ انگریزوں کو برصغیر سے نکالنے کے لیے کس نے کیا کیا ہے اور انگریزوں کا اقتدار اس سرزمین پر مضبوط و مستحکم کرنے کے لیے کون کس طرح سرگرم کار رہا اور اور کس نے انگریزوں کے دشمنوں سے برسرپیکار ہونے کو اپنی زندگی کا مطمحِ نظر قرار دیا اور انشاء اللہ العزیز کوئی بات بے دلیل اور بلا جواز نہیں کہی جائیگی۔ اسمٰعیل دہلوی اور سید احمد بریلوی صاحبان کے بارے میں انہی حضرات کی کتابوں اور مضامین کے حوالے دیئے جارہے ہیں جن کے یہ ممدوح ہیں قارئین کرام تلاشِ حق کے جذبے سے ان سطور کو پڑھیں ؎

تو مپندار کہ ایں قصہ زخود می گویم
گوش نزدیک لبم آر کہ آوازے ہست

اس مقالے کے مطالعے سے قارئین کرام پر واضح ہوگا کہ جہاں فضل حق خیرآبادی انگریز کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیتے ہیں اور اس پر اصرار کرتے ہیں اسکی سزا بھگتتے ہیں، وہاں اسمٰعیل دہلوی اور اُن کے "پیر و مرشد" سید احمد بریلوی انگریزوں کی دعوتیں اُڑاتے ہیں ان کی عملداری میں اطمینان سے زندگی گزارنے پر شکر ادا کرتے ہیں ان کے ایماء پر سکھوں سے جہاد کو نصب العین ٹھہراتے ہیں ایسے میں برصغیر کی آزادی کی تاریخ میں جب یہ لوگ اپنے ان مجاہدین کا ذکر کرتے ہیں تو ہنسی آتی ہے ؎

مثال ایسی ہے اس دورِ خرد کے ہوشمندوں کی
نہ ہو دامن میں ذرہ اور صحرا نام ہو جائے

علامہ فضلِ حق کے مقابلے میں اسمٰعیل دہلوی صاحب کی بات کے ساتھ خواہ مخواہ سید احمد بریلوی صاحب کا نام آجاتا ہے اس کے لیے قارئین سے معذرت طلب ہوں اصل میں اسکی وجہ یہ ہے کہ "تحریکِ مجاہدین" کے عقلِ کُل اگرچہ اسمٰعیل صاحب ہی تھے مگر ظاہری سربراہ سید احمد بریلوی تھے اور "تحریکِ مجاہدین" کے نام سے جو کچھ اس برصغیر میں کیا گیا اس میں ان دونوں کی حیثیت لازم و ملزوم کی ہے جس طرح مرزا غلام احمد قادیانی نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا مگر حقیقت میں اسے "نبی" بنانے والے کا نام حکیم نورالدین بھیروی تھا مرزا صاحب کا مبلغِ علم تو سب لوگوں پر عیاں ہے اسی طرح سید احمد صاحب نے اپنے آپ کو "مامور من اللہ" کہا ہے۔ بقول ان کے ان پر "الہام" بھی ہوتا تھا انہیں خدا نے فتح و نصرت کی بشارت بھی دی تھی۔

مکتوب ۶ بنام خان خاناں خلجائی۔ "اس فقیر کو بارہا پردۂ غیب سے وارد ہونے والی روحانی باتوں اور ربانی الہام کے ذریعے جہاد کے نافذ کرنے اور کفر و فساد کے دفعیہ کے لیے صاف اور صریح اشاروں کے ساتھ مامور کیا گیا ہے اور فتح و کامیابی کی سچی بشارتوں کی خبر دی گئی ہے اور چونکہ الہامی وعدے اس بادشاہِ حقیقی کے کلام کے مطابق ہوا کرتے ہیں اسلیے ان کو ضرور مان لینا چاہیے اور ان پر عمل کرنا چاہیئے"

(مکتوباتِ سید احمد شہید)

(مرتبہ جعفر تھانیسری مترجم سخاوت مرزا ص ۵۰)

"مولوی اسحاق گورکھپوری سے روایت ہے کہ سید صاحب نے فرمایا تھا کہ مجھ کو غیب سے الہام ہوا تھا کہ تیرا نسب نہایت صحیح ہے"۔

مقدمہ "حیات سید احمد شہید" از محمد ایوب قادری ص ۵۱

یوں تو انہوں نے الہام کا اعلان تو کیا لیکن انہیں اس کی مہلت ہی نہیں ملی کہ وہ نبوت کا باقاعدہ دعویٰ کر سکتے ورنہ شاید ہم غلام احمد قادیانی کے بجائے سید احمد بریلوی اور اُن کے متبعین کا نبی اور پیروانِ نبی کی حیثیت سے بطلان کر رہے ہوتے ان دونوں (مرزا غلام احمد اور سید احمد) میں یہ قدرِ مشترک بھی تھی کہ دونوں پڑھنے لکھنے میں کند ذہن واقع ہوئے تھے۔

بزرگ سید احمد بچپن میں اپنے غیر معمولی سکوت کی وجہ سے پرلے درجہ کا غبی مشہور ہو گیا تھا اور لوگوں کا خیال تھا کہ اسے تعلیم دینا بے سُود ہے۔ کبھی کچھ آئے جائے گا نہیں۔"

حیاتِ طیبہ از مرزا حیرت دہلوی

(مطبوعہ فارُوقی دہلی ص ۲۷۱)

یہ کس قدر تعجب کی بات ہے کہ کوئی شخص مسلمان ہونے کا دعویٰ بھی کرے اور اپنے ان پڑھ "پیر و مرشد" کی جہالت کو نعوذ باللہ، محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے کمال مشابہت بھی قرار دے۔

آپ (سید احمد صاحب) کی ذاتِ والا صفات ابتداءِ فطرت سے جناب رسالت مآب علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات کی کمال مشابہت پر پیدا کی گئی تھی اس لیے آپ کی لوحِ فطرت علومِ رسمیہ کے نقش اور تحریر و تقریر کے دانشمندوں کی راہ و روش سے خالی تھی"۔

(صراطِ مستقیم از اسمٰعیل دہلوی ص ۳)

مطبوعہ مطبع احمدی لاہور

اسی کتاب کے صفحہ ۳۷ پر صدیقیت کی آڑ میں دعوائے نبوّت کیا گیا ہے۔ اس پر بھی انہیں "علمائ" کی قیادت اور زمانے کی سیادت کا دعویٰ تھا۔

پھر سید احمد صاحب کے سب سے بڑے نام لیوا محمد جعفر تھانیسری اپنی کتاب "سوانح احمدی" میں بیان خلفاءِ حضرت سید احمد صاحب کا" یں رقم فرماتے ہیں:-

"اوّل اور افضل سارے خلیفوں کے مولوی عبدالحی صاحب داماد حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کے ہیں۔ دوم مولوی محمد اسمٰعیل صاحب شہید، یہ دونوں بزرگ بمنزلہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے آپ کے یارِ غار اور جاں نثار تھے۔"

(سوانح احمدی از محمد جعفر تھانیسری ص ۱۴۰)

ملاحظہ فرمایا آپ نے، مرزا غلام احمد قادیانی نے بھی بالکل اسی طرح اپنے ساتھیوں کو حضرت

ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق وغیرہ گردانا، اپنی بیوی کو ام المومنین کہا اور ان کے ماننے والے سرکارِ دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے دینِ برحق کے مقابلہ پر اسی طرح ایک نیا دین کھڑا کرتے ہیں جس طرح سید احمد صاحب کی اٹھان ہے۔ انہی لوگوں نے یہ کہا کہ حضور جیسے اور نبی آجائیں تو بھی حضور کی خاتمیت میں کوئی فرق نہیں آتا شاید مصلحتوں نے لوگوں کی توجہ اس طرف مبذول نہیں کی کہ کیا یہ سب کچھ نئے نئے نبی پیدا کرنے کی خواہش کا اثر تو نہیں ؎

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز
ورنہ در محفلِ رنداں خبرے نیست کہ نیست

مَیں سے کہنا تو یہ چاہتا ہُوں کہ چونکہ تھانیسری صاحب کے بقول سیّد احمد اور اسمٰعیل دہلوی میں (العوذ باللہ) محمد و عمر کا تعلق ہے اسلئے مجھے معاف کیا جائے اگر اسمٰعیل صاحب کے ذکر میں ناگزیر طور پر سید احمد صاحب کا ذکر آجائے۔

مَیں نے جن دوستوں سے اپنے اس مضمون کا ذکر کیا انہوں نے کہا کہ معاندینِ حق کے قلمکاروں کی تعداد زیادہ ہے ان کے ہاتھ میں قلم ہے، ذرائع ابلاغ پر ان کا کنٹرول ہے، اُن کے اپنے بہت سے رسالے ہیں ــــــ وہ سب تم پر پل پڑیں گے مگر مَیں حق کہنے کی آرزو کا گلا نہیں دبا سکا۔ جو شخص جو کچھ کہنا چاہتا ہے اس پر کوئی قدغن نہیں اور وسائل کی کثرت اگر انہیں انگیخت بھی کرے گی تو چشم ما روشن، دلِ ما شاد، مجھے پیروانِ اسمٰعیل دہلوی سے اس بات کی توقع نہیں ہے کہ وہ حقیقت کو قبول کرلیں گے ؏ ایں خیال است و محال است و جنوں

اِس دشت میں قدموں کے نشاں ڈھونڈ رہے ہو
پیڑوں سے جہاں چھن کے ضیا تک نہیں آتی

وہ تو حقائق سے واقف ہیں، جان بُوجھ کر آنکھیں بند کر لیتے ہیں اور لوگوں کی نگاہوں میں دھول جھونکنا چاہتے ہیں مگر طالبانِ حق اس امر کی طرف ضرور توجہ دیں کہ مَیں حوالے انہی لوگوں کی تصانیف سے نقل کر رہا ہُوں اب اُن کی باتیں دُہرانے پر بھی ہدفِ طعن و تشنیع بنایا جاتا ہے تو سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے ؎

اور دُنیا سے بھلائی کا صِلہ کیا ملتا
آئینہ مَیں نے دکھایا تھا کہ پتھر برسے

جنگِ آزادی

اور

فضلِ حق خیرآبادی

صاحبِ علم و فضل

دیکھتے کیوں ہو شکیبؔ اتنی بلندی کی طرف
نہ اٹھایا کرو سر کو کہ یہ دستار گرے

میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ دینی مسائل پر گفتگو کرنا میرے دائرہ کار سے باہر ہے میں زیرِ نظر مقالے میں علامہ فضلِ حق خیر آبادی اور مولوی اسمٰعیل دہلوی کی سیاسی سرگرمیوں کو زیرِ بحث لانا چاہتا ہوں اس لیے علمی مسائل سے صَرفِ نظر کرتے ہوئے یہ بتاتا ہوں کہ مشہور اہلِ علم و دانش حضرات کے علاوہ علامہ فضل حق کے مخالف بھی ان کے علم و فضل کے متعلق کیا رائے رکھتے ہیں :-

"انقلاب سن ستاون سے پہلے دہلی کی ادبی فضا جن 'عناصرِ اربعہ' سے ترتیب پا رہی تھی، وہ یہی چار ہستیاں تھیں، مولانا خیر آبادی' مفتی صدرالدین آزردہ مرزا غالب اور حکیم مومن"۔ (غالب نام آورم ص ۱۸)

نادم سیتاپوری

سرسید احمد خان علامہ فضل حق سے دینی اور سیاسی ہر دو لحاظ سے مختلف رائے اور عقیدہ رکھتے ہیں لیکن ملاحظہ فرمائیے کہ ان کے دل و دماغ پہ علامہ کی دانش و حکمت کے اثرات کتنے گہرے ہیں۔

"جمیعِ علوم و فنون میں یکتائے روزگار ہیں اور منطق و حکمت کی تو گویا انہی کی فکرِ عالی نے بنا ڈالی ہے .... بارہا دیکھا گیا ہے کہ جو لوگ اپنے آپ کو یگانۂ فن سمجھتے تھے، جب اُن کی زبان سے ایک حرف سُنا، دعویٔ کمال کو فراموش کر کے نسبتِ

شاگردی کو اپنا فخر سمجھے، بہ ایں ہمہ کمالاتِ علم و ادب میں ایسا علمِ سرفرازی بلند کیا ہے کہ فصاحت کے واسطے ان کی شستہ محض عروج معارج ہے اور بلاغت کے واسطے ان کی طبعِ رسا دست آویز بلندی معارج ہے، سحبان کو ان کی فصاحت سے سرمایۂ خوش بیانی اور امراء القیس کو ان کے افکارِ بلند سے دستگاہ عرفج معانی، الفاظ پاکیزہ ان کے رشکِ گوہر خوش آب اور معانی رنگیں ان کے غیرتِ لعل ناب، سروانکی سطورِ عبارت کے آگے پابہ گل، اور گل ان کی عبارتِ رنگیں کے سامنے خجل، نرگس اگر ان کے سواد سے نگاہ ملا دیتی، مصحفِ گل کے پڑھنے سے عاجز نہ رہتی اور سوسن اگر ان کی عبارتِ فصیح سے زبان کو آشنا کرتی، صفتِ گویائی سے عاری نہ ہوتی۔"

(آثار الصنادید از سر سید احمد خان ص ۲۸۱)

مولوی رحمان علی علامہ فضل حق کے معاصر تھے وہ منطق، فلسفہ، حکمتِ ادب، کلام اور اصول اور شاعری میں فضل حق کے تخصص اور امتیاز کے متعلق بتاتے ہوئے ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں ان کے کردار اور اس کے نتیجے میں ان کی قید اور شہادت کا ذکر کرتے ہیں۔

"در علومِ منطق و حکمت و فلسفہ و ادب و کلام و اصول و شعر فائق الاقران و استحضارے فوق البیان داشت، نظمش زاید بر چہار ہزار اشعار خواہد بود ..... انگریزان او را بزمانۂ فسادِ ہند قید کردہ بہ جزیرۂ رنگون فرستادند ہمدران جا بتاریخ دوازدہم صفر سال دوازدہ صد و ہفتاد و ہشت ہجری وفات یافتہ۔"

"تذکرۂ علمائے ہند" از مولوی رحمان علی
مطبع نولکشور لکھنؤ سنہ ۱۹۱۴ء ص ۱۶۴ ۔ اردو ترجمہ مطبوعہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی
سنہ ۱۹۶۱ء ص ۳۸۳، ۳۸۲ "

آبِ حیات از محمد حسین آزاد (ص ۵۱۲) اور یادگارِ غالب (ص ۱۰۲) میں ہے کہ
"مولانا فضل حق اور مرزا خانی نے دیوانِ غالب سے مشکل اشعار خارج

کر دیئے اور دو ثلث کے قریب حصّہ نکال دیا اور اُن کی رہنمائی سے غالب نے اس روش پر چلنا ترک کر دیا"۔

اسداللہ خان غالب پر مولانا فضلِ حق کے اثرات کا ذکرہ دوسری کئی کتابوں میں بھی تواتر و تسلسل کے ساتھ کیا گیا ہے۔ مثلاً

"اگر مولوی فضل حق اور ان کے رفقاء کی صحبت کا فقط اتنا ہی اثر ہوتا کہ وُہ (غالب) شاعری میں اپنی غلط روش کو چھوڑ کر ایک معتدل راہ پر آجائے تو یہ بھی کچھ معمولی بات نہیں تھی مگر اس سے بھی زیادہ قابلِ قدر کام غالب کی "اخلاقی اصلاح" کا ہُوا"۔

("ذکرِ غالب" از مالک رام، ص ۴۳)

"مولوی فضل حق غالب کے سب سے بڑے محب اور محسن تھے انہوں نے نہ صرف مرزا کی شعر و سخن کے میدان میں رہنمائی کی، جو اُن کا اصل دائرہ عمل تھا۔ بلکہ اُن کی مالی مشکلات دُور کرنے کی بھی کوشش کی"۔

(غالب نامہ از شیخ محمد اکرام ص ۵۴)

(بحوالہ "غالب کے کلام میں الحاقی عناصر" از نادم سیتاپوری ص ۲۹، ۲۸)

"جن (مرزا غالب) کی نظر میں بڑے بڑے شعراء علماء نہیں جچتے تھے، مولانا (خیر آبادی) کی بڑی تعظیم اور عزت کرتے تھے چنانچہ جب وہ دہلی سے سررشتہ داری عدالت چھوڑ کر جانے لگے تو مرزا نے اخبار آئینہ سکندر میں اشاعت کیلیے ایک تحریر بھیجی، جس کا آخری جملہ یہ ہے "حقا کہ اگر پایۂ علم و فضل و دانش و بینش مولوی فضل حق آن مایہ بکاہند کہ از صد یک دامانند و باز آن پایہ را بہ سررشتہ داری عدالت دیوانی سنجنہ ہنوز ین عہدہ دُوں مرتبہ دے خواہد بود"۔

("سرگزشتِ غالب" از ڈاکٹر محی الدین قادری زور، ص ۵۹)

"(غالب نے) انہی کی نسبت یوسف مرزا کے نام ایک خط میں لکھا "مولانا کا حال

کچھ تم سے مجھ کو معلوم ہوا، کچھ مجھ سے تم معلوم کرو، مرافعہ میں حکمِ دوامِ حبس بحال رہا۔ بلکہ تاکید ہوئی کہ جلد دریائے شور (کالاپانی) کی طرف روانہ کرو۔" اکتوبر ۱۸۶۱ء کے ایک خط میں منشی داد خاں سیاح کو لکھتے ہیں۔ "ہاں خاں صاحب! آپ جو کلکتے پہنچے اور سب صاحبوں سے ملے تو مولوی فضلِ حق کا حال اچھی طرح سے دریافت کر کے مجھ کو لکھو کہ اس نے رہائی کیوں نہ پائی اور وہاں جزیرے میں اس کا کیا حال ہے؟"

(غالب نامہ از شیخ محمد اکرام ص ۱۴۰ء)

"مرزا غالب مولانا خیر آبادی کے ارتحال پر شیخ لطیف احمد بلگرامی کو لکھتے ہیں "کیا لکھوں اور کہوں نور آنکھوں سے جاتا رہا اور دل سے سرور، ہاتھ میں رعشہ طاری ہے۔ کان سماعت سے عاری ہے۔" ؎

عتابِ عروسان در آمد بجوش
صراحی تہی گشت و ساقی خموش

فخرِ ایجاد و تکوین مولانا فضلِ حق ایسا دوست مر جائے، غالب نیم مردہ، نیم جاں رہ جائے ؎ مرتے ہیں آرزو میں مرنے کی
موت آتی ہے، پر نہیں آتی
آگے آتی تھی حالِ دل پہ ہنسی،
اب کسی بات پر نہیں آتی"

(ماہنامہ اردوئے معلیٰ علیگڑھ، دسمبر سنہ ۱۹۰۷ء ص ۳۲)

جب تک اہلِ قلم کے ذہن و احساس پہ محدود حزبی مفادات نے یلغار نہ کی تھی اور اس کے لیے انہوں نے تاریخ کو مسخ کرنے کا عمل شروع نہیں کیا تھا، اہلِ دانش کے قلم اور زبان سے اس جید عالم اور بے مثل و بے نظیر فاضل شخصیت کے حق میں لکھا اور کہا جاتا رہا، مولوی محمد الدین "روضۃ الادبار" میں لکھتے ہیں کہ:-

"مولوی فضل حق بن مولوی فضل امام خیر آبادی عالم اجل اور فاضل بے بدل، حادی فروع و اصول و جامع معقول و منقول تھے...... اساتذہ وقت آپ کی شاگردی کو فخر جانتے تھے...... مولانا کو علم فلسفہ اور ادب میں یدِ طولیٰ تھا...... دہلی میں آپ عہدۂ جلیلہ اور منصب عظیمہ پر مقرر تھے۔ اور سرکار انگلشیہ کی قید میں جزیرۂ انڈیمان میں، جس کو "کالا پانی" کہتے ہیں جا کر ۱۲۷۸ھ میں فوت ہو گئے۔"

(روضۃ الادبا ص ۱۴۸)

پاکستان کے نامور محقق ڈاکٹر مولوی محمد شفیع اور ہند و پاک کے عظیم نقاد و دانشور ڈاکٹر سید محمد عبد اللہ کی سرکردگی اور نگرانی میں پنجاب یونیورسٹی کے عظیم منصوبے "اردو دائرۂ معارف اسلامیہ" میں مولانا فضل حق کے متعلق بزمی انصاری نے لکھا ہے،

"۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خلاف مسلح بغاوت ہوئی تو مولوی فضل حق نے اس بغاوت میں نمایاں حصہ لیا۔ بغاوت کے الزام میں ان پر مقدمہ چلا اور عمر قید کی سزا پائی"

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۵ ص ۳۷۵)

سید سلیمان ندوی نے علامہ کے فضل و شرف کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے ملاحظہ فرمائیے اور دیکھئے کہ ان کے سیاسی کردار کی عظمت کے نقوش کتنے گہرے ہیں۔

"مرحوم (مولانا فضل امام) کے جانشین، صاحبزادہ اور شاگرد مولانا فضل حق صاحب خیر آبادی تھے جن کے دمِ عیسوی نے معقولات میں روح پھونکی کہ ابن سینائے وقت مشہور ہوئے۔ دیار و اطراف سے طلبہ نے انکی طرف رجوع کیا اور منطق و فلسفہ کو نئے طور سے ملک میں رواج دیا۔ غدر کے ہنگامہ میں گرفتار ہو کر جزیرہ انڈیمان بھیجے گئے۔ اور وہیں ۱۲۷۸ھ میں وفات پائی مولانا فضل حق خیر آبادی کے تلامذہ اور تلامذہ در تلامذہ نے سارے ملک میں پھیل کر علوم معقول

کو بڑی رونق دی اور بڑے باکمال مدرس ثابت ہوئے"۔

("حیاتِ شبلی" از سید سلیمان ندوی ص۲۳، ۲۲)

(اپنے عہد کے اس عظیم صاحبِ علم و دانش کے فضل و ہنر کے ساتھ اُن کی سیاسی خدمات کے متعلق محمد اسمٰعیل پانی پتی کہتے ہیں۔

"علامہ فضل حق نے ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں انگریزوں کے خلاف سخت حصّہ لیا جس کے نتیجے میں گرفتار کر کے کالے پانی بھیج دیئے گئے۔ جہاں اس فاضلِ اجل عالم بے بدل نہایت کس مپرسی، بے بسی اور لاچاری کی حالت میں ۲۰ اگست ۱۸۶۱ء کو انتقال کیا اور علم و دانش اور فضل و ہنر کا یہ آفتاب ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔"

حاشیہ "جناب مولانا مخدومنا مولوی فضلِ حق" ۔ مقالاتِ سر سید
حصّہ شانزدہم ص ۳۴۰

منشی محمد اسمٰعیل حسین منیر شکوہ آبادی کو بھی جنگ آزادی میں حصّہ لینے کی پاداش میں کالے پانی کی سزا ہوئی تھی۔ مفتی انتظام اللہ شہابی ان کے ذکر میں لکھتے ہیں۔

"انڈمان میں زیادہ وقت مولانا فضل حق کی صحبت میں گزرتا تھا چنانچہ آپ کے متعلق ایک قصیدہ میں کہتے ہیں ؎

"رشکِ زلیخا ہوئی بحرِ صفت جوش زن | غرق ہوا نیل میں یوسفِ گل پیرہن
مخزنِ فضل و کمال، عالمِ عالی مقام | ناقدِ تازی زباں، فیض شناسِ سخن
مولوی بے نظیر فضلِ حق اسمِ شریف | دہلی سے تا لکھنؤ مشتہر و موتمن
قید میں، میں اور وہ رہتے تھے ایک ہی جگہ | عین سمندر میں تھے غرقۂ بحرِ محن
نصف قصیدہ کیا ہے سامنے ان کے رقم
ختم ہوا جب، تھے وہ ہمدمِ گور و کفن"

(غدر کے چند علماء ص ۷۶، ۷۵)

انگریزوں کے خلاف

فتوائے جہاد

کس نے اپنے دل کے لہو سے لالۂ و گل میں رنگ بھرا

جن کو دعویٰ ہو گلشن پر، ہم سے آنکھیں چار کریں

آج کچھ لوگوں نے تاریخی حقائق پر پردہ ڈالنے اور جنگ آزادی کے مسلمہ رہنماؤں کے خلاف فضا پیدا کرنے کی کوشش میں یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ علامہ فضل حق خیر آبادی نے نہیں دیا تھا، مالک رام کہتے ہیں انگریزوں کے خلاف فتویٰ پر علامہ کے دستخط نہیں تھے، محمد ایوب قادری بھی اپنا سارا "زورِ تحقیق" اسی پر صرف کرتے ہیں ان کے اس مفروضے کی تردید میں حکیم محمود احمد برکاتی نے "فضل حق خیر آبادی اور سن ستاون" میں مسکت دلائل و براہین سے اس کے تار و پود بکھیرے ہیں۔ ان لوگوں نے بہت چاہا کہ فضلِ حق خیر آبادی کی قربانیوں پر اپنی مصلحتوں اور مخالفتوں کے پردے ڈالیں مگر ان کے کردار کی پختگی، عزم کی سلامتی اور استقلال و ہمت کی جزئیات پر نظر ڈالیں تو یقین آتا ہے کہ ؎

آ کے گرا تھا ایک پرندہ لہو میں تر
تصویر اپنی چھوڑ گیا ہے چٹان پر

میں آپ کو صرف علامہ کے فتوے کی صدائے بازگشت سناتا ہوں:۔

" علماء نے جس جس طرح بغاوت کو منظم کیا اسکو مفصل بیان کرنے کے لیے تو ایک علیحدہ کتاب کی ضرورت ہے مگر ان کا کچھ تذکرہ ان صفحات پر کیا جا رہا ہے اس حقیقت سے بڑے بڑے مورخ بھی انکار کی جرأت نہیں کر سکتے ہیں

کہ یہ علماء عوام میں بے حد مقبول تھے ان کی تحریر و تقریر کا بڑا اثر ہوتا تھا چنانچہ دہلی میں جنرل بخت خان کی تحریک پر مولانا فضل حق خیرآبادی اور دوسرے علماء نے جو جہاد کا فتویٰ دیا اس کے بارے میں مولوی ذکاء اللہ دہلوی نے بھی اپنی تاریخ میں اقرار کیا ہے کہ اس سے مذہبی جوش و خروش بہت بڑھ گیا تھا۔"

("جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء" از خورشید مصطفیٰ رضوی ص ۴۵۵)

غلام رسول مہر یہ بات غلط ثابت کرنے کے زعم میں کہ مولانا فضل حق ہی کے دم سے جنگِ آزادی کی تحریک میں جان پڑی تھی یہ بھول گئے کہ وہ فتویٰ کی تائید کر کے اپنوں کی نگاہوں میں بھی مطعون ہو رہے ہیں اسمٰعیل دہلوی صاحب کے یہ مداح بہر حال کسی نہ کسی طرح اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ فتویٰ کے سلسلے میں فضلِ حق کی کارکردگی سب سے نمایاں ہے اور وہ نہ ہوتے تو اس فتویٰ کا وجود ہی نہ ہوتا۔

"مولانا (فضل حق خیرآبادی) کے دہلی پہنچنے سے پیشتر بھی لوگوں نے جہاد کا پرچم بلند کر رکھا تھا۔ مولانا پہنچے تو مسلمانوں کو جنگ آزادی پر آمادہ کرنے کی غرض سے باقاعدہ ایک فتویٰ مرتب ہوا جس پر علماءِ دہلی کے دستخط لیے گئے۔ میرا خیال ہے کہ یہ فتویٰ مولانا فضل حق ہی کے مشورے سے تیار ہوا تھا اور انہی نے علماء کے نام تجویز کیے جن پر دستخط لیے گئے۔"

("۱۸۵۷ء کے مجاہد" از غلام رسول مہر ص ۲۰۶)

پاکستان کے نامور شاعر ناصر کاظمی اور مشہور کالم نویس انتظار حسین کی ادارت میں شائع ہونے والے مجلّہ "خیال" کے سن ستاون نمبر میں شکور احسن صاحب مفتی صدر الدین آزردہ پر مضمون لکھتے ہوئے علامہ کے فتویٔ جہاد کا ذکر کرتے ہیں :-

"جب برطانوی استعمار کے خلاف ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ شروع ہوا تو بعض شاعروں، ادیبوں اور عالموں نے اس میں سرگرمی سے حصہ لیا اور انگریزی حکومت

کا اقتدار بحال ہو جانے کے بعد ان پر مصیبت کے پہاڑ ٹوٹ پڑے مولانا فضل حق کو جہاد کا فتویٰ صادر کرنے کے جرم میں انڈمان بھیجا گیا۔ صہبائی کو پھانسی کے تختہ پر لٹکایا گیا۔ شیفتہ کو قید و بند کی مصیبتیں برداشت کرنی پڑیں ...."

("خیال" لاہور سن ستاون نمبر ص ۲۶۸)

مفتی صدرالدین آزردہ ہی کے بیان میں مفتی انتظام اللہ شہابی فتویٰ جہاد کی تیاری کی ساری ذمہ داری مولانا فضل حق پر ڈالتے ہیں :-

"ہنگامہ ۱۸۵۷ء رونما ہوا۔ مولانا فضل حق الور سے دلّی آئے جنرل بخت خان نے نقشہ اقتدار جمار کھا تھا۔ استفتار مولانا نے لکھا۔ مفتی صاحب و دیگر علمار نے فتویٰ دیا..... مولانا فضل حق کو اقرار جرم پر انڈمان جانا پڑا"۔

("غدر کے چند علمار" از انتظام اللہ شہابی ص ۴۸)

رئیس احمد جعفری تمام عمر آزادی کی تحریک کی جزئیات کھنگالتے رہے وہ اپنی ضخیم کتاب "بہادر شاہ ظفر اور ان کا عہد" میں لکھتے ہیں :-

"مولانا فضل حق خیر آبادی علمی قابلیت میں نظیر نہیں رکھتے تھے ان کو فتویٰ جہاد کی پاداش اور جرم بغاوت میں انڈمان بھیجدیا گیا"۔

("بہادر شاہ ظفر اور ان کا عہد" - از رئیس احمد جعفری ص ۳۱۵)

جب بھی کوئی مؤرخ تاثرات و تعصبات سے قطع نظر کر کے ۱۸۵۷ء کا حال لکھے گا تو مجبور ہو گا کہ علامہ فضل حق کے فتویٰ جہاد کا ذکر کرے۔ محمد اسماعیل پانی پتی اپنے مضمون "۱۸۵۷ء میں علمار کرام کا حصہ" میں فضل حق کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں :-

"جب ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ عظیم دہلی میں رونما ہوا تو (علامہ فضل حق) فوراً دہلی پہنچے اور جہاد کا فتویٰ دیا۔ جنرل بخت خان کمانڈر انچیف افواج ظفر سے ملے اور اس کی بڑی اعانت اور امداد کی...... لکھنؤ میں ان پر مقدمہ قائم ہوا نہایت

بے باکی اور صفائی کے ساتھ بغیر ذرہ برابر ہچکچاہٹ اور تذبذب کے اقرار کیا۔ کہ ہاں میں نے فتویٰ لکھا اور اس پر دستخط کیئے اور جو کچھ میں نے کیا اپنے خیال میں ٹھیک کیا۔

(لیل ونہار" لاہور۔ جنگِ آزادی نمبر، ۱۹۵ء ص ۲۸)

پاکستان کے مشہور جریدۂ تحقیق "الزبیر" کے تحریکِ آزادی نمبر کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔ مولانا فضلِ حق نے جامع مسجد میں فتویٰ پڑھ کر سنایا۔ علماء سے دستخط کرائے اس فتوے کی اشاعت سے جدّ وجہدِ آزادی میں زور پیدا ہوا۔ اور آخر میں مقدمہ کے موقع پر علاّمہ فضل حق نے اس بات پر اصرار کیا کہ یہ فتویٰ انہوں نے لکھا ہے۔ اور اب تک اپنی رائے تبدیل نہ کرنے کا اعلان کرتے ہیں۔

"مولانا فضلِ حق نے ایک دن بعد نمازِ جمعہ جامع مسجد میں انگریزوں کے خلاف فتویٰ پڑھ کر سنایا تو بہتوں کے لیے باعثِ تشویش بنا۔ اس فتویٰ پر مفتی صدر الدین آزردہ اور دوسرے پانچ علماء کے دستخط تھے اس کا شائع ہونا تھا کہ جدّ وجہد نے ایک نیا زور پکڑا اور جابجا انگریزوں کے چھکے چھوٹ گئے۔۔۔ تاریخِ ذکاء اللہ کے مطابق اس فتویٰ کے بعد صرف دہلی میں نوّے ہزار سپاہ جمع ہوگئی ...... سرکاری وکیل کے مقابلے انہوں نے خود بحث کی۔ اور سب الزام ایک ایک کرکے رد کر دیئے لیکن فتوے کے متعلق آخر تک اڑے رہے کہ وہ فتویٰ صحیح ہے اور میرا لکھا ہوا ہے اور آج اس وقت بھی میری رائے یہی ہے۔"

(سہ ماہی "الزبیر" بہاولپور۔ تحریکِ آزادی نمبر ۱۹۷۰ء ص ۹۲)

مفتی انتظام اللہ صاحب نے علاّمہ فضلِ حق کے خلاف بہت کچھ لکھا۔ جس کا مادم سیتا پوری جیسے ادیب نے بھی نہایت دُکھ کے ساتھ اظہار کیا ہے اور دلائل کے ساتھ ان کے الزامات کی تردید بھی کی ہے مگر علاّمہ کے فتوئ جہاد کے تو وہ بھی منکر نہیں ہو سکے۔ اصل میں جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں، مقصد ان سب حضرات کا ایک تھا جو نیک نہیں تھا کہ فضلِ حق کے خلاف لکھا ج

اسی لیے ان کے خیال وفکر میں مطابقت نہیں پائی جاتی اور کسی نہ کسی پہلو سے کسی نہ کسی مُنہ سے سچّی بات کبھی نہ کبھی نکل ہی جاتی ہے۔ مفتی انتظام اللہ "عُلمائے حق اور اُنکی مظلومیت کی داستانیں" کے صفحہ ۵۶ پر لکھتے ہیں:-

"دلاور جنگ مولوی احمد اللہ شاہ مدراسی آگرہ سے لکھنؤ آئے وُہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے اقتدار کے خلاف علماء میں سرگرمیٔ عمل پیدا کر رہے تھے۔ مولانا (فضل حق) بھی اُن کے ہمنوا ہو گئے اور سرکاری ملازمت ترک کر کے الور چلے گئے۔ ہنگامۂ ۱۸۵۷ء رُونما ہوُا۔ دلّی آئے، بہادر شاہ سے ملے، یہاں جنرل بخت خاں کے ٹھاٹ جمے ہوُے تھے نصاریٰ کے خلاف جہاد کا فتویٰ مولانا نے دیا اور اس پر مفتی صدر الدین آزردہؔ، مولوی فیض احمد بدایونی، ڈاکٹر مولوی وزیر خان اکبر آبادی وغیرہ کے دستخط کرائے گئے۔"

"جج کے سامنے آپ کی موجودگی میں سرکاری گواہ پیش ہوُا اُس نے آپ کو دیکھا کہنے لگا یہ وہ فضل حق نہیں ہیں جنہوں نے جہاد کا فتویٰ دیا تھا۔ وُہ دُوسرے ہیں آپ فوراً بول اُٹھے پہلی اطلاع اس کی صحیح ہے اب غلط کہہ رہا ہے۔ مجھ پر جو جُرم عائد کیا گیا ہے وہ دُرست ہے مَیں نے ہی فتویٰ لکھا اور آج بھی میری رائے وہی ہے۔ جج نے حبس دوام بعبُور دریائے شور کی سزا تجویز کی جو خندہ پیشانی قبول فرما کر انڈمان گئے۔"

یہی مفتی صاحب اپنی دوسری کتاب میں بھی علاّمہ کے فتویٰ کے حق میں فتویٰ دیتے ہیں:-

"مولانا نے اپنے اُوپر کے بقیہ الزام رد کرنے کے بعد پھر پلٹا کھایا اور کہا جس مخبر نے فتوے کی خبر کی اُس کے بیان کی اب مَیں توثیق کرتا ہُوں، میرا ہی لکھا ہُوا ہے۔ اور میرے ہی مشورے سے علماء نے دستخط کیے، پہلے اس گواہ نے سچ رپورٹ لکھوائی تھی مگر اب عدالت کے سامنے میری صورت سے مرعُوب ہو کر جھُوٹ بولا ہے

مجھے خدا کے حضور جانا ہے، غلط بات مذہب کے معاملے میں نہیں بول سکتا۔"

("ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء" از مفتی انتظام اللہ شہابی ص ۵۳)

مکتبۂ برہان دہلی کی شائع کردہ کتاب "جنگِ آزادی اٹھارہ سو ستاون" از خورشید مصطفیٰ رضوی میں ہے۔

کہا جاتا ہے کہ ۱۸۵۷ء قریب آنے پر آپ (فضل حق) نے اکثر والیانِ ریاست کو بغاوت پر آمادہ کرنے کی کوشش کی۔ اگست ۱۸۵۷ء میں دہلی آ گئے اور یہاں جنرل بخت خاں کی تحریک پر جہاد کا فتویٰ مرتب کر کے پیش کیا، جس سے مسلمانوں میں بے حد جوش و خروش پیدا ہو گیا ۔۔۔ لکھنؤ میں مقدمہ چلا جس میں حالات ایسے پیدا ہو گئے تھے کہ مولانا بری ہو جائیں مگر آپ نے برسرِ عدالت کہہ دیا کہ "میں نے جہاد کا فتویٰ دیا تھا اور آج بھی میری وہی رائے ہے"۔

("جنگِ آزادی" ۱۸۵۷ء ص ۵۸، ۲۵۷)

علامہ فضل حق کی کتاب "الثورۃ الہندیہ" کے اردو ترجمے کے مقدمہ میں لٹن لائبریری مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کے اورنیٹلسٹ محمد عبد الشاہد خان شروانی کہتے ہیں۔

اس رسالہ کو دیکھنے سے اس وقت کے ہولناک حالات کا نقشہ سامنے آ جاتا ہے اور نصاریٰ کے خوفناک عزائم کا پتا چلتا ہے کہ کس طرح ہندوستان کی رعایا کے گلے میں دائمی غلامی اور نصرانیت کا پٹہ ڈالنے کی کوشش ہو رہی تھیں اور علماء مجاہدین کا ایسے موقع پر اعلانِ جہاد کس قدر بر وقت اور ضروری تھا۔ علامہ خیر آبادی کا رجب ۱۲۷۵ھ میں باطل قوتوں کے سامنے یہ اعلانِ حق ہمیشہ آبِ زر سے لکھا جاتا رہے گا"۔ وہ فتویٰ صحیح ہے میرا لکھا ہوا ہے اور آج اس وقت بھی میری وہی رائے ہے"۔

(مقدمہ "باغی ہندوستان" از محمد عبد الشاہد خاں شروانی ص ۷۵ مطبوعہ مکتبہ قادریہ لاہور۔

جن لوگوں نے بوجوہ فضلِ حق کو عظمت و استقلال کی مسندِ جلیلہ سے ہٹانے اور اُن کے کارناموں کو لوگوں کے دماغوں سے محو کرنے کی خاطر خامہ فرسائی کی ہے۔ میں پہلے عرض کر چکا ہُوں کہ ان کے خیالات میں تطابق نہیں ہے لیکن عبرت انگیز بات تو یہ ہے کہ پروفیسر محمد ایوب قادری جو آجکل پاکستان میں علامہ فضلِ حق کے فتویٰ جہاد کے شاید سب سے بڑے "دشمن" ہیں وُہ بھی اپنی ایک کتاب میں اُن کے فتوے کو تسلیم کرتے ہیں۔ بعد میں شاید کسی خاص وجہ سے انہوں نے حق کی راہ پر چلنے کی روش پر نظر ثانی کر لی اور اب دوبارہ حق کو قبول کرنے کی راہ میں "وقت کی ضرورت" یا ان کی اَنا حائل ہے۔

اے کہ می گوئی کہ می آئم، نمی آئی چرا
پائے شوقت را مگر رنگِ حیا زنجیرِ پاست

"دہلی میں بہادر شاہ نے خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ مولانا فضلِ حق خیر آبادی نیز دُوسرے علماء دہلی میں موجود تھے.... جنرل بخت خان کے مشورے سے علامہ فضلِ حق خیر آبادی نے بعد نمازِ جمعہ جامع مسجد دہلی میں جہاد کی اہمیت و ضرورت پر تقریر کی اور جہاد کا استفتاء مرتب کر کے پیش کیا۔ جہاد کے فتویٰ کی تیاری میں جنرل بخت خان کی کوشش خاص تھی۔"

("جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کا ایک مجاہد" ۔ مولانا فیض احمد بدایونی)
از محمد ایوب قادری ص ۲۲، ۲۱

پاکستان کے مشہور محقق ڈاکٹر ابواللیث صدیقی نے جنگِ آزادی میں صرف "لبِ بام" سے تماشہ دیکھنے والوں کو یاد دلایا ہے کہ علامہ فضلِ حق بے خطر اس آگ میں کُود پڑے تھے انہوں نے واضح کیا ہے کہ سرِ دار بھی اعلانِ حق سے باز نہ آنے والے علامہ فضلِ حق جو قدم اٹھا چکے تھے اور جو کچھ کہہ چکے تھے اس پر آخر دم تک قائم رہے۔

بات بن سکتی نہیں کوئی صداقت کے بغیر
تیر کی پُشت پہ کردارِ کماں ہوتا ہے

ڈاکٹر ابو اللیث اپنے مضمون "مولانا فضل حق خیرآبادی" میں کہتے ہیں۔

"مسلمانوں کو عزت و آبرو کی زندگی بسر کرنے کیلیے آخری مرتبہ جان کی بازی لگا دینے پہ آمادہ کرنے کے لیے ایک باقاعدہ فتوی جہاد کا جاری کیا گیا۔ جس پہ دستخط کرنے والوں میں مفتی صدر الدین آزردہ اور مولوی فضل حق بھی شریک تھے۔ مولانا فضل حق نے فتوے کے بعد جگہ جگہ دورے کیے۔ اور بالآخر دہلی پہنچ گئے۔ اس زمانے میں ان کی سیاسی سرگرمیوں کا اندازہ جیون لال کے روزنامچے سے ہوتا ہے جس میں اس نے مختلف تاریخوں میں مولانا کا قلعے کی مجلس مشاورت میں شریک ہونا بیان کیا ہے۔ مولانا فضل حق کے مشورے صرف قلعۂ معلّٰی کی پوشیدہ مجلسوں تک محدود نہ تھے وہ جنرل بخت خان سے ملے مشورے ہوئے اور آخر میں بعد نماز جمعہ دلی کی لال مسجد میں علماء کے سامنے تقریر کی اور فتوی پیش کیا۔" ("خیال" لاہور سن ستاون نمبر ص ۲۶۳،۶۴)

پاکستان میں دیوبند مکتبۂ فکر کے آرگن ہفت روزہ "خدام الدین" لاہور کے ایک مضمون کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

"بُرا ہو تاریخ کا۔ اس نے اپنے حافظہ سے ایسی ایسی جانباز، حق گو، بہادر اور جامع کمالات شخصیتوں کو دودھ کی مکھی کی طرح نکال پھینکا جنہوں نے اپنے دور میں وقت کے تیز و تند طوفانوں سے بے خوف و خطر ٹکرلی اور پیٹھ نہیں دکھائی مولانا فضل حق خیرآبادی رحمۃ اللہ علیہ تاریخ کے ان جوانمرد اور نڈر مجاہدین میں سے تھے جن کی جرأت و ہمت اور حق گوئی و بے باکی نے دنیا کو حیرت میں ڈال دیا مگر تاریخ کے صفحات میں ان کو شایانِ شان کیا۔ کوئی معمولی جگہ بھی نہیں مل سکی۔ ......

مولانا فضل حق خیرآبادی نے اَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ

جائز" کا فریضہ ادا کیا اور اپنی عمرِ عزیز انڈمان میں حبسِ دوام کی نذر کر دی۔......

علامہ فضل حق خیر آبادی وغیرہ نے انگریزوں کے خلاف فتاویٰ دیکر مسلمانوں کو عدم تعاون پر آمادہ کیا......

مولانا فضل حق خیر آبادی بھی "باغی" قرار دیے گئے، سلطنتِ مغلیہ کی وفاداری، فتوائے جہاد کی پاداش یا جرمِ بغاوت میں مولانا ماخوذ کر کے سیتاپور سے لکھنؤ لائے گئے۔"

(مضمون، "مولانا فضل حق خیر آبادی" از مستقیم احسن حامدی فاضل دیوبند ہفت روزہ "خدام الدین" لاہور، ۲۳ نومبر ۶۲ء صفحہ ۹، ۱۰)

جناب حسین احمد مدنی ان سب "محققین" کے ممدوح ہیں جو اپنے آپ کو فضل حق کی مخالفت پر مامور سمجھتے ہیں۔ آپ ان کی تحریر کا لطف اٹھایئے اور دیکھیے کہ خدا کے شیر کی گرج کیا رنگ دکھاتی ہے۔ علامہ فضل حق کی استقامت کا حال حسین احمد مدنی صاحب کی زبانی سنیئے: علامہ فضل حق اپنے فتوائے جہاد پر مفتخر ہیں اور اس الزام سے بریت کے بجائے اس کی پاداش میں ہر سزا بھگتنے کے لیے ہمہ تن تیار۔

"مولانا نے اپنے اوپر جس قدر الزام لیے تھے ایک ایک کر کے سب رد کر دیے جس مخبر نے فتویٰ کی خبر کی تھی۔ اس کے بیان کی تصدیق و توثیق کی۔ فرمایا "پہلے اس گواہ نے سچ کہا تھا اور رپورٹ بالکل صحیح لکھوائی تھی اب عدالت میں میری صورت دیکھ کر مرعوب ہو گیا۔ اور جھوٹ بولا، وہ فتویٰ صحیح ہے، میرا لکھا ہوا ہے اور آج اس وقت بھی میری وہی رائے ہے۔" جج بار بار علامہ کو روکتا تھا کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں، مخبر نے عدالت کا رخ اور علامہ کی بارعب و پُروقار شکل دیکھ کر شناخت کرنے سے گریز کرتے ہوئے کہہ ہی دیا تھا کہ یہ وہ مولانا فضل حق نہیں، وہ دوسرے تھے، گواہ حسنِ صورت اور پاکیزگیٔ سیرت سے بے انتہا متاثر ہو چکا تھا مگر علامہ کی

شانِ استقلال کے قربان جایئے، خدا کا شیر گرج کر کہتا ہے" وہ فتویٰ صحیح ہے میرا لکھا ہوا ہے اور آج اس وقت بھی میری وہی رائے ہے۔

نالہ از بہرِ رہائی نہ کند مرغِ اسیر
خورد افسوس زمانے کہ گرفتار نہ بود"

(نقشِ حیات از حسین احمد مدنی۔ ص ۲۶۲)

حسین احمد مدنی صاحب اپنی دوسری کتاب تحریک ریشمی رومال میں پھر اس شیرِ حق کی شانِ استقلال پر قربان ہو رہے ہیں، فضلِ حق نے صرف فتویٰ ہی نہیں دیا، جب ابتلاء و آزمائش کی گھڑی آئی مقدمے میں پیش ہوئے تو اس فتوے پر اصرار کیا اور آزادی کے غاصبوں کے خلاف جنگ کو اس وقت بھی ضروری قرار دیا۔

ضربِ خیال سے کہاں ٹوٹ سکیں گی بیڑیاں
فکرِ چمن کے ہمرکاب جوشِ جنوں بھی چاہیے

"مولانا فضلِ حق صاحب خیر آبادی کو جو کہ تحریک کے بہت بڑے رکن تھے اور بریلی، علی گڑھ اور اس کے ملحقہ اضلاع کے دورانِ تحریک میں گورنر تھے آخر ان کو گھر سے گرفتار کیا گیا جس مخبر نے ان کو گرفتار کرایا تھا اس نے انکار کر دیا کہ مجھے معلوم نہیں، فتویٰ جہاد پر جس نے دستخط کیے ہیں وہ یہ فضلِ حق ہیں یا کوئی اور ہیں ...... مولانا نے فرمایا کہ مخبر نے پہلے جو رپورٹ لکھوائی تھی وہ بالکل صحیح تھی کہ فتویٰ میرا ہے اب میری شکل و صورت سے مرعوب ہو کر یہ جھوٹ بول رہا ہے، قربان جایئے علامہ کی شانِ استقلال پر، خدا کا شیر گرج کر کہہ رہا ہے کہ میرا اب بھی یہی فیصلہ ہے کہ انگریز غاصب ہے اور اس کے خلاف جہاد لڑنا فرض ہے خدا کے بندے ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔ وہ جان کی پروا کیے بغیر سر بکف ہو کر میدان میں نکلتے ہیں اور لومڑی کی طرح ہیر پھیر کر کے جان نہیں بچاتے بلکہ شیروں کی طرح جان دینے کو فخر

سمجھتے ہیں۔" (تحریک ریشمی رومال از حسین احمد مدنی ص ۶۵، ۶۶)

اور اب آخر میں یہ بھی دیکھیے کہ جب علامہ پر مقدمہ چلتا ہے تو کیا ثابت ہوتا ہے۔ فیصلے کا ایک حصہ نذرِ قارئین ہے۔ علامہ فضل حق کے فتوے ہی کی بنیاد پر مقدمہ ان کے خلاف فیصل ہوا۔ اور انہیں کالے پانی کی سزا ہوئی، اس فیصلے کے بعد اب بھی یہ کہنا کہ انھوں نے فتوئی جہاد پر دستخط نہیں کیے تھے، کیا کہلائیگا؟

تم ہی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا

"عدالت دو ججوں پر مشتمل تھی، جارج کیمبل، جوڈیشنل کمشنر اور میجر بارن قائم مقام کمشنر خیرآباد ڈویژن، اس مشترکہ عدالت نے ۴ مارچ ۱۸۵۹ء کو اپنے فیصلے میں لکھا..." بہر حال عدالت کی نظر میں ثابت ہے کہ اس موقع پر ملزم نے بلا ضرورت مستعدی دکھاتے ہوئے صراحت سے ایسا فتوئی دیا جس کا مقصد قتل کی ترغیب دینا تھا۔ اس نے قرآن کی آیات پڑھیں اور ان کے من مانے معنی کیے اور اصرار کیا کہ انگریزوں کے ملازم کافر و مرتد ہیں اور اس لیے شریعت کے نزدیک ان کی سزا قتل ہے بلکہ اس نے باغی سردار سے یہاں تک کہا کہ تم انہیں قتل نہیں کرتے تو تم خدا کی نظر میں مجرم ہو۔"

(ماہنامہ تحریک دہلی۔ جون ۱۹۶۰ء)

(بحوالہ غالب نام آورم از نادم سیتاپوری ص ۱۱۸، ۱۱۷)

* * *

جنگِ آزادی

میں

فضلِ حق کا عمومی کردار

در محبّت آنچہ می گوئیم ، اوّل می کنیم
پارۂ بیش است از گفتارِ ما، کردارِ ما

علامہ فضل حق علیہ الرحمۃ کے فتویٰ جہاد کے بارے میں آپ پڑھ چکے ہیں، مالک رام اور محمد ایوب قادری کے اس مفروضے کی وضاحت ہو چکی ہے کہ علامہ نے انگریزوں سے جہاد کا فتویٰ نہیں دیا ہے، اب آئیے غلام رسول مہر کی طرف۔ ان کا موقف یہ ہے کہ علامہ فضل حق نے فتویٰ دیا تھا لیکن صرف فتویٰ ہی دیا تھا۔ جنگ آزادی کے کسی مرحلے پر اور کوئی خدمت انجام نہیں دی،

"غالباً یہی فتویٰ تھا جو انجام کار مولانا (فضل حق) کے خلاف مقدمے کا باعث بنا، ورنہ انہوں نے نہ کسی جنگ میں حصہ لیا، نہ ان کے پاس کوئی عہدہ تھا، نہ کسی کے قتل میں شرکت کی اور نہ اُن کے خلاف کوئی اور سنگین الزام تھا۔"

("۱۸۵۷ء کے مجاہد" از غلام رسول مہر۔ ص ۲۰۶)

علامہ فضل حق کے مقابلے میں میاں نذیر حسین دہلوی (اہلحدیث) نے انگریزی حکومت سے دوران غدر "حسن کارکردگی کے تمغے اور نقد انعامات حاصل کیے تھے۔ مگر غلام رسول مہر ان کی "خدمات جلیلہ" کی تعریف میں تر زبان ہوتے ہیں۔ اگر حقائق صفحۂ قرطاس پر رقم ہوں۔ کہ ان لوگوں نے "تاریخ نویسی" کی زمین میں کیا کیا گل کھلائے ہیں۔ تو لوگ حیرت سے انگشت بدنداں رہ جائیں۔

عجب کہ حوصلۂ روزگار بر تابد
اگر بروں فگنم آنچہ اندرونِ من ست

رئیس احمد جعفری اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ مخالفانہ اور معاندانہ انداز میں تا
لکھنے والوں نے علامہ کے کارناموں کا اخفا ضروری سمجھا ہے۔

"مذکورہ سطور میں ہم نے غدر کے جن ہیروؤں کا ذکر کیا ہے ان میں سے صرف
بخت خان اور مولانا فضل حق خیر آبادی دو ایسی شخصیتیں ہیں جنہوں نے دہلی کے
محاربات غدر میں مرکز نشین ہو کر حصّہ لیا ہے...... بخت خان اور مولانا فضل حق
کے احوال و سوانح، واقعات و حوادث، کارناموں اور سرگرمیوں کی تفاصیل معلوم کرنا
آسان نہ تھا...... غدر کے بعد غدر کا ذکر بھی کتنا روح فرسا تھا۔ اور ان شخصیتوں
کا تذکرہ، جنہوں نے اس انقلابی تحریک میں مردانہ وار حصّہ لیا تھا، اپنی جان سے
ہاتھ دھونا تھا...... ان اکابر کا اوّل تو مرتّب اور منضبط صورت میں کہیں ذکر
نہیں ملتا۔ اور اگر کہیں ملتا بھی ہے تو مخالفانہ اور معاندانہ انداز میں۔ ان مشکلات
کے باوجود زیادہ سے زیادہ معتبر اور مستند مواد حاصل کرنے کی اپنے مقدور بھر ہم نے
کوشش کی ہے۔" (بہادر شاہ ظفر اور اُن کا عہد۔ ص ۳۴۸)

خونِ دل کو صرفِ گلشن کر مگر یہ سوچ کر
تیرے سر الزامِ تحریکِ خزاں بھی آئے گا

جناب حسین احمد مدنی مولانا فضل حق علیہ الرحمۃ اور ان کے تلامیذ اور ساتھیو
جہادِ حریت میں "بڑے پیمانہ پر حصّہ لینے کی گواہی دیتے ہیں، یہ حقیقت ہے کہ علامہ نے جنگ
آزادی میں ہر طرح حصّہ لیا، کیونکہ وہ اخلاص کے ساتھ یہ یقین رکھتے تھے کہ انگریزوں
غلامی ہماری ملی زندگی کے لیے زہرِ قاتل کا درجہ رکھتی ہے۔ اس کے لیے انھوں نے مقدور
اضطراب کا اظہار کیا اور انگریزوں کو زک پہنچانے کے لیے مختلف عملی اقدام کیے۔

موجیم کہ آسودگیٔ ما عدمِ ماست
ما زندہ ازانیم کہ آرام نہ گیریم

"بہر حال مسلمان علماء میں سے مولانا احمد اللہ شاہ صاحب ذلاور جنگ مدراسی اور مولانا فضل حق صاحب خیر آبادی اور مولوی امام بخش صہبائی...... اور ان حضرات کے تلامیذ وغیرہ نے جہادِ حریت ۱۸۵۷ء میں بڑے پیمانہ پر حصّہ لیا تھا"

(نقشِ حیات ص ۴۶۰)

تحریکِ آزادی کی مشہور تاریخ نگار سیدہ انیس فاطمہ بریلوی علامہ فضل حق کو طبقۂ علماء کا سرگروہ قرار دیتی ہیں۔

"خواص میں جنرل بخت خاں، فیروز شاہ، نانا راؤ، نواب تجمل حسین خان، جنرل محمود خاں اور عظیم اللہ خان تھے اور علماء کے سرگروہ مولوی احمد اللہ، مولوی لیاقت علی اور مولوی فضل حق خیر آبادی قرار پائے۔"

("۵۷ء کے ہیرو" ص ۷)

پروفیسر محمد ایوب قادری اگرچہ فتوے کی تردید کے خیال سے ان کے آخری مرحلے پر دہلی پہنچنے کے قائل ہیں مگر لکھنؤ میں علامہ کی سرگرمیوں کی زیرِ لب تائید کر رہے ہیں۔

"جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء میں مولانا فضل حق نے حصّہ لیا۔ دہلی میں جنگِ آزادی کے آخری مرحلے میں پہنچے۔ لکھنؤ میں بیگم حضرت محل کی کورٹ کے ممبر رہے آخر میں گرفتار ہوئے، مقدمہ چلا اور حبسِ دوام بعبور دریائے شور کی سزا ہوئی۔"

("جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء (واقعات و شخصیات) از پروفیسر محمد ایوب قادری ص ۴۳۸)

اسماعیل دہلوی صاحب ہی کے ایک متبع اہلِ قلم نے اسی حلقے کے ایک جریدے میں انگریزوں کے جاسوسوں کی رپورٹوں اور روزنامچوں وغیرہ کے حوالے سے دہلی کی جنگِ آزادی میں علامہ کے فعّال کردار پر روشنی ڈالنے کے بعد منشی ذکاء اللہ دہلوی کی کتاب کا ذکر بھی کیا ہے۔

"یہ تو محبِ وطن حضرات کے مخبروں، جاسوسوں اور دشمنوں کی رپورٹوں اور روزنامچوں میں اپنے انداز میں مولانا فضل حق نے ۱۸۵۷ء کی دہلی کی جنگِ آزادی

میں جو حصّہ لیا تھا، اس کے بارے میں رائے ہے ...... منشی ذکاءاللہ صاحب نے اپنی مشہور تصنیف "تاریخِ عروجِ سلطنتِ انگلشیہ ہند" میں مولانا فضل حق خیرآبادی کی خدمات کا ذکر کیا ہے جو انہوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں انجام دی تھیں اور اُن کی پاداش میں ان کو جلاوطن ہونا پڑا تھا۔"

(جامعہ دہلی، نومبر سنہ ۱۹۶۲ء مضمون امداد صابری۔ ص ۲۶۸)

اسی صفحے پر لکھتے ہیں۔

"یہ بات تو مسلّمہ ہے کہ مولانا فضل حق خیرآبادی نے ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں حصّہ لیا۔"

جنرل بخت خان مجاہدین جنگِ آزادی کے سربراہ تھے۔ لکھنؤ میں بیگم حضرت محل نے حریّت کا پرچم اُٹھایا تھا اور علاّمہ فضل حق دونوں جگہوں پر ان دونوں کے معتمد تھے اور ان کی کارروائیوں میں شریک رہے۔ کیا اس حقیقت کے منظرِ عام پر آنے کے بعد بھی اس رائے کی گنجائش باقی رہتی ہے۔ کہ علاّمہ نے فتو دینے کے علاوہ کسی کام میں حصّہ نہیں لیا۔ اگر یہ باتیں لوگوں کے سامنے لانا جرم ہے تو میں بھی بہر حا مجرم ہُوں۔

وُہ منفعل ہو کہ ہو مشتعل بلا سے مگر
کبھی تو حالِ دلِ زار برملا کہیئے

"جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء میں مولانا (فضل حق) نے مردانہ وار حصّہ لیا۔ دہلی میں جنرل بخت خان کے شریک رہے۔ لکھنؤ میں حضرت محل کی کورٹ کے ممبر رہے۔ جب انگریزوں کو فتح ہُوئی تو گرفتار ہُوئے۔"

("علم و عمل" ۔ وقائع عبدالقادر خانی۔ جلد اوّل مترجم مولوی معین الدین افضل گڑ (ص ۲۵۶)

"جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء میں مولانا فضل حق نے مردانہ وار حصّہ لیا، دہلی میں

جنرل بخت خاں کے شریک رہے، لکھنؤ میں حضرت محل کی کورٹ کے ممبر رہے آخر میں گرفتار ہوئے۔ مقدمہ چلا۔ لعبوُر دریائے شور کی سزا ہوئی"۔

(تذکرہ علمائے ہند از مولوی رحمان علی ص ۳۸۳)

محمد ایوب قادری صاحب اپنی کتاب میں مولانا فضل حق کے حضرت محل کی کورٹ کے ممبر ہونے کا اعتراف کر چکے ہیں۔ اپنے ایک مضمون میں انہوں نے جنرل بخت خاں کی مشاورت میں بھی ان کے شریک ہونے کا اعتراف کر لیا ہے پھر وہ علامہ کے قصائد اور اُن کی کتاب کو جنگِ آزادی کے "نہایت قابلِ قدر ماخذ" قرار دیتے ہیں۔ اگر علامہ ان حالات کے عینی شاہد نہ ہوتے، خود جنگ میں فعال کردار ادا نہ کر رہے ہوتے تو ان کی باتیں قابلِ قدر مآخذ کیسے قرار پا سکتی تھیں۔

"جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں مولانا فضل حق نے حصّہ لیا۔ دہلی میں جنرل بخت خاں کے شریک رہے، لکھنؤ میں بیگم حضرت محل کی کورٹ کے ممبر رہے آخر میں گرفتار ہوئے۔ مقدمہ چلا اور حبسِ دوام بعبور دریائے شور کی سزا ہوئی ..... انڈمان ونکوبار کے زمانۂ قیام میں علامہ خیر آبادی سے دو چیزیں یادگار ہیں۔ الثورۃ الہندیہ اور قصائد فتنۃ الہندیہ دونوں چیزیں تاریخی ہونے کے علاوہ ادب کا بھی شاہکار ہیں ..... یہ رسالہ اور قصیدہ جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کے حالات کے نہایت قابلِ قدر مآخذ ہیں۔" (مقالہ "جزائر انڈمان ونکوبار میں مسلمانوں کی علمی خدمات")

از محمد ایوب قادری۔ سہ ماہی اردو کراچی جنوری ۶۸ء

ص ۶۲

خلیل احمد نظامی نے "۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ" مطبوعہ ندوۃ المصنفین دہلی کے صفحہ ۹۶، ۱۹۷ اور ۱۶۲، ۱۶۳ پر بتایا ہے کہ "جب زمانہ میں شور و شر پھیلا تو مولوی فضل حق خیر آبادی نے دہلی کا عزم کیا اور (بادشاہ کی) بارگاہ میں باریابی کے آرزومند ہوئے اور نذر اور نثار کے لیے بہت سا روپیہ پیش کیا"۔ روزنامچے میں ان کی جلالتِ علمی کا ذکر ان الفاظ میں ہے۔ "مولوی فضل حق نے

مختلف علوم میں خاص مرتبہ حاصل کیا تھا۔ یقیناً فنِ منطق میں ان کا علمی سرمایہ اجتہاد کے درجہ تک پہنچا ہوا تھا"۔ مولانا فضل حق کی دربارِ شاہ میں مصروفیت کے بارے میں منشی جیون لال اپنے روزنامچے میں لکھتا ہے۔

"۱۶ر اگست ۱۸۵۷ء۔ مولوی فضل حق شریکِ دربار ہوئے۔ انہوں نے اشرفی نذر پیش کی اور صورتِ حال کے متعلق بادشاہ سے گفتگو کی۔

۱۸ر اگست ۱۸۵۷ء۔ مولوی فضل حق نے اطلاع دی کہ انگریزی اخبارات لکھ رہے ہیں کہ شہر پر قبضہ ہو جانے کے بعد باشندوں کا قتلِ عام کیا جائے گا۔

۶ر ستمبر ۱۸۵۷ء۔ مولوی فضل حق نے اطلاع دی کہ متھرا کی فوج آگرہ چلی گئی ہے اور انگریزوں کو شکست دینے کے بعد شہر پر حملہ کر رہی ہے"۔

("علمائے ہند کا شاندار ماضی"۔ جلد چہارم [۱۸۵۷ء اور جانبازانِ حریت)
از محمد میاں۔ ص ۴۹۴

مشہور مورّخ رئیس احمد جعفری علامہ کی دوسری مصروفیات کے علاوہ والیانِ ریاست اور امرائے ہند کو جنگِ آزادی میں شامل کرنے کی کوششوں کا ذکر یوں کرتے ہیں۔ (قارئینِ کرام اس سے پہلے خورشید مصطفےٰ رضوی کی کتاب کا اقتباس ملاحظہ کر چکے ہیں)

"وہ (فضل حق خیر آبادی) انگریزوں سے نفرت کرتے تھے۔ اور انگریزوں کو نکالنے کے لیے ہر منظم اور باقاعدہ تحریک میں حصّہ لینے پر دل و جان سے آمادہ رہتے تھے چنانچہ غدر جب شروع ہوا تو مولانا بے تامّل شریک ہو گئے۔ وہ بہادر شاہ کے معتمد، مقرب اور مشیر تھے۔ ان کے دربار میں شریک ہوا کرتے تھے، انہیں اہم معاملات و مسائل پر مشورے دیتے تھے اور اس بات کے ساعی تھے کہ آزادی کی یہ تحریک کامیاب ہو اور انگریز اس دیس سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رخصت ہو جائیں۔ مولانا نے غدر میں دلیری اور جرأت کے ساتھ علانیہ حصّہ لیا۔ انہوں نے متعدد والیانِ ریاست اور امرائے ہند کو اس تحریک میں شامل کرنے کی کوشش کی، جس جس والیٔ ریاست سے اُن کے ذاتی

تعلقات و مراسم تھے۔" "بہادر شاہ ظفر اور اُن کا عہد" ص ۸۹۲

ملاحظہ فرمایئے، علامہ فضل حق بہادر شاہ ظفر سے مشورے کرتے ہیں، فوجی تنظیم کا جائزہ لیتے ہیں، آزادی کے لیے کام کرنے والوں سے مستقل رابطہ رکھتے ہیں اور پھر اس جدوجہد میں سردار کے مشیر ہیں۔ کیا یہ سب کچھ "کچھ نہ کرنے" کے ضمن میں آتا ہے۔؟

دہلی پہنچتے ہی سیدھے قلعے میں گئے اور بہادر شاہ ظفر سے ملاقات کی، جنگ کی صورتِ حال کے متعلق گفتگو کی، فوجوں کا جائزہ لیا، "آزادی حاصل کرنے کے لیے جو لوگ کمر کس چکے تھے ان سے ملے اور پھر روہیلوں کے سردار جنرل بخت خان کے پاس گئے ...... ۱۸۵۹ء میں مولانا فضل حق خیر آبادی کو مغلیہ حکومت کی وفاداری اور انگریزوں کے خلاف "بغاوت" میں شریک ہونے کے جرم میں گرفتار کر لیا گیا۔" ("آزادی کے مجاہد" از محمود الرحمن ص ۳۵)

پروفیسر ایوب قادری کا ایک مضمون "مولانا عبدالحق خیر آبادی کو انگریزی لباس اور طرز سے نفرت تھی" حریت کراچی میں چھپا ہے جس میں انہوں نے علامہ فضل حق کے دہلی سے "بعد از خرابیٔ بسیار اودھ پہنچنے" کا ذکر کیا ہے۔ ایک شخص تحریک کی کامیابی کے لیے ایک ایک آدمی کے پاس جاتا ہے۔ رہنماؤں کا مشیرِ خاص ہے، اُمرائے ریاست کو تحریک میں شامل کرنے کی سعی کرتا ہے، مصائب جھیلتا ہے۔ اور ایک جگہ سے دُوسری جگہ جدوجہد آزادی میں حصہ لینے کے لیے پہنچتا ہے، یہ سب کچھ جاننے کے باوجود اگر کوئی شخص اس کی خدمات سے صرفِ نظر کرتا ہے اور اس کے سلسلے میں ایک واقعے (فتوائے جہاد) کو جھٹلاتا ہے تو بس یہی کہا جا سکتا ہے کہ ؂

اُن کو الزام اگر دیں بھی تو ہم کیوں کر دیں
اتنے معصوم ہیں، انجان نظر آتے ہیں

۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں مولانا فضل حق اُلور سے دہلی پہنچے اور دہلی سے بعد از خرابیٔ بسیار اودھ پہنچے، حضرت محل کی کورٹ کے ممبر ہوئے، بعد ازاں

مولانا فضل حق گرفتار ہوئے، بغاوت کے جرم میں اس یگانۂ روزگار شخصیت پر مقدمہ چلا۔" (روزنامہ حریت کراچی، ۹ رجولائی ۱۹۷۶ء)

جرم بغاوت کے اس مجرم کو صرف اسمٰعیل دہلوی صاحب کے عقائد پر گرفت اور ان کی تغلیط پر اتنی کڑی سزا انہیں دینی چاہیے کہ یا تو ان کا ذکر جنگِ آزادی کے تذکرے میں سرے سے کیا ہی نہ جائے اگر ذکر ناگزیر ہو تو کبھی کہا جائے کہ انہوں نے فتویٰ نہیں دیا، کبھی قرار دیا جائے کہ فتویٰ تو خیر انہوں نے دیا تھا اور کچھ نہیں کیا۔ حامد حسن قادری ان کے "جرمِ بغاوت" کے متعلق اشارہ کرتے ہیں۔

"۱۸۵۹ء میں جب غدر کے بعد انگریزوں کا تسلط ہو گیا تو اور لوگوں کے ساتھ مولانا فضل حق پر بھی جرمِ بغاوت عاید کیا گیا اور حبسِ دوام بعبورِ دریائے شور کا حکم ہوا۔" (داستانِ تاریخ اردو از حامد حسن قادری۔ ص ۳۲۹)

مولوی ذکاء اللہ دہلوی بھی علامہ فضل حق کو علمائے حق کا سرخیل گردانتے ہیں (بحوالہ خون کے آنسو حصہ اول از مشتاق احمد نظامی۔ ص ۴۴)

علامہ پر قائم کردہ مقدمے کی رپورٹ میں لکھا ہے:۔

"یہ بات ان ایام میں عام طور پر مشہور تھی کہ چند آدمی بیگم حضرت محل کے مشیرانِ خاص ہیں۔ باغی فوج میں اُن کی "اربعہ شوریٰ" کے نام سے شہرت تھی۔ بلکہ کبھی کبھی انہیں "کچہری پارلیمنٹ" کے نام سے بھی پکارا جاتا تھا۔ اس شوریٰ میں ملزم (علامہ فضل حق) بہت ممتاز تھا۔"

فیصلے میں یہ بھی لکھا ہے۔

"وہ خطرناک ترین آدمی ہے، جو کسی وقت بھی بے حد نقصان پہنچا سکتا ہے اس لیے انصاف اور امنِ عامہ کا تقاضا ہے کہ اسے ملک بدر کر دیا جائے۔"

جوڈیشل کمشنر اودھ اور قائم مقام کمشنر خیر آباد ڈویژن نے ۴ مارچ ۱۸۵۹ء کو فیصلہ صادر کرتے

ہوئے لکھا۔

"بغاوت شروع ہونے کے وقت وہ الور میں ملازم تھا۔ یہاں سے دیدہ دانستہ دہلی آیا اور اس کے بعد وہ باغیوں اور بغاوت کے قدم بہ قدم چلتا رہا ایسے شخص کو سخت ترین سزا ملنا چاہیے اور اسے خاص طور سے ہندوستان سے خارج کر دینا چاہیئے۔"

(ماہنامہ تحریک دہلی، جون ۱۹۶۰ء)

بحوالہ حرفِ آغاز "باغی ہندوستان" از محمد عبدالحکیم شرف قادری مطبوعہ مکتبہ قادریہ لاہور ص ۲۰، ۲۲

سید مصطفیٰ علی بریلوی جنگِ آزادی کے عظیم رہنماؤں کی فہرست میں مولانا فضلِ حق کا ذکر یوں کرتے ہیں۔

"ہماری پہلی جنگِ آزادی کے ہیرو بلاشبہ انگریزی فوجی اور سول افسران سے کسی طرح قابلیت اور حب الوطنی میں کم نہیں تھے، جنرل بخت خان، جنرل محمود خان بیگم حضرت محل، مولانا احمد اللہ شاہ، سید لیاقت علی، مولانا فضلِ حق، خان بہادر خان، نانا راؤ، تانتیا ٹوپی، شہزادہ فیروز شاہ، جھانسی کی رانی، محمد علی خان عرف جیمی گرین وغیرہ مجاہدین کے لیڈر تھے اور اپنی اپنی جگہ بڑی خوبیوں کے لوگ تھے"

مضمون "جنگِ آزادی کی کہانی، انگریزوں کی زبانی"

(ماہنامہ ترجمانِ اہلِ سنّت "کراچی۔ جنگِ آزادی نمبر ص ۱۰۵)

دہلی کے اس دور کا ایک اخبار نویس چنی لال ۱۹ مئی ۱۸۵۷ء کو یہ خبر دیتا ہے کہ

"علمائے دین نے تمام شہر کے مسلمان باشندوں کو جمع کر کے انگریزوں سے جہاد کرنے کی ترغیب دی اور کہا کہ کفار کو قتل کرنے سے اجرِ عظیم ملتا ہے، ہزاروں مسلمان ان کے علم کے نیچے جمع ہو گئے"۔ (بہادر شاہ کا مقدمہ۔ ص ۱۱۷)

اس قسم کے متعدد جلسے ان علماء نے مسجدوں خصوصاً جامع مسجد میں کیے اور ان میں مولانا فضلِ حق

اپنی پُرجوش تقریروں سے مسلمانوں میں جوشِ جہاد پیدا کرتے رہے، چنانچہ یہی چنی لال لکھتا ہے کہ۔

"مولوی فضلِ حق اپنے مواعظ سے عوام کو مسلسل بھڑکا رہے ہیں"۔

(اخبار دہلی از چنی لال ص ۲۷۳، فائل ۱۲۷)

(بحوالہ "فضلِ حق خیر آبادی اور سن ستاون" از حکیم محمود احمد برکاتی ص ۴۸)

اودھ کے چیف کمشنر کا سیکرٹری گورنمنٹ آف انڈیا کے سیکرٹری کے نام ۱۱ر دسمبر ۱۸۵۸ء کو ایک سرکاری مراسلے میں لکھتا ہے۔

"مندرجہ ذیل لوگوں کے چلے جانے کے بعد حکومت کو قیامِ امن میں کافی سہولت ہو رہی ہے، فیروز شاہ، مکر شاہ، مولوی فضلِ حق جو ہماری حکومت کا دشمنِ جاں ہے حالانکہ حکومت نے اسے اور اس کے اعزہ کو اعلیٰ مناصب عطا کیے تھے۔"

(Freedom Struggle ص ۵۶۵)

(بحوالہ فضلِ حق خیر آبادی اور سن ستاون۔ ص ۸۸، ۸۷)

بہادر شاہ ظفر سے علامہ کی ملاقاتوں کا مقصد جنگ آزادی کو تیز تر کرنا تھا، انہوں نے بادشاہ کو فعال کرنے کی کوشش کی، مجاہدین کی سرپرستی کی اہمیت جتائی اور دوسرے مناسب مشورے دیے۔

"...... ان حالات میں تحریک کی کامیابی کے امکانات کا دھندلا جانا لازمی ہے، مولانا نے اس اہم مسئلے پر پہلے دن سے توجہ دی اور بہادر شاہ سے اپنی پہلی ملاقات میں اس پر زور دیا کہ مجاہدین کی روپیہ اور سامانِ رسد سے مدد کرنا نہایت ضروری ہے۔ حکیم احسن اللہ خان نے لکھا ہے کہ "مولوی صاحب جب بھی بادشاہ سے ملتے، بادشاہ کو مشورہ دیتے کہ جنگ کے سلسلے میں رعایا کی ہمت افزائی کریں اور ان کے ساتھ باہر (محاذ پر) نکلیں اور دستوں کو جس حد تک ممکن ہو، بہتر معاوضہ دیں"۔

(میموائرس ص ۲۴، ۲۳)

(بحوالہ فضلِ حق خیر آبادی اور سن ستاون۔ ص ۵۰، ۴۹)

علامہ فضلِ حق نے صرف بہادر شاہ اور بخت خان سے ملنے اور انہیں مشورہ دینے ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ شاہ نے جو کنگ کونسل تشکیل دی تھی، علامہ اُس کے بھی بڑے اہم رُکن تھے۔

"سید مبارک شاہ (جو دورانِ غدر دہلی کا کوتوال رہا تھا) کا بیان ہے کہ شاہ نے جنرل بخت خان، مولوی سرفراز علی اور مولوی فضل حق پر مشتمل ایک کنگ کونسل تشکیل دی تھی، مبارک شاہ ہی نے ایک جگہ اس کو پریوی کونسل بھی لکھا ہے"

The Great Revolution of 1857

از ڈاکٹر سید معین الحق ص ۱۲۸، ۱۸۳

سوویٹ یونین کی سائنس اکیڈمی کے ادارۂ علومِ شرقیہ کی ایک ممتاز رُکن مادام پو نسکایا ایک مضمون میں لکھتی ہیں۔

"مولانا (فضل حق) الور تشریف لائے جہاں انہوں نے انگریزوں کے خلاف ایک مسلح بغاوت کا پرچار کیا۔ ان کا خیال یہ تھا کہ وہ زمیندار جو برطانوی حکومت سے مطمئن نہیں ہیں اس کی بنیادی طاقت ہوں گے۔ مولانا موصوف کے معاصرین اور ان کے سوانح نگاروں نے اُن کے بہت سے خطوط کا ذکر کیا ہے۔ جو انہوں نے مختلف ریاستوں کے حکمرانوں کو لکھے تھے۔ انہوں نے برطانیہ کے خلاف ایک مسلح بغاوت کا پیغام دیا تھا۔ بغاوت کے زمانے میں مولانا انگریزوں کے مخالفوں کی صف میں رہے ..... مولانا فضل حق خیرآبادی کے سماجی اور سیاسی نظریات سامراجی محکومی کے جوئے سے ملک کو آزاد کرنے کی اس خواہش کے آئینہ دار تھے جو پوری قوم کے سینے میں پروان چڑھ رہی تھی۔ اس حیثیت سے ان کی جملہ سرگرمیاں ہندوستان کے قومی مفاد کو پورا کرتی تھیں۔"

(پندرہ روزہ سوویت دیس دہلی۔ ۱۰ر جولائی ۱۹۵۸ء)

بحوالہ غالب نام آورم۔ ص ۱۱۶

بخود خزیدہ و محکم چو کوہساراں زی
چو خس مزی کہ صبا تند و شعلہ بیباک است

ڈاکٹر مہدی حسین لکھتے ہیں ۔

"اگر جیون لال کے بیان پر اعتماد کیا جا سکتا ہے تو مولوی فضل حق نے شاہی فوج کی کمان بھی کی ہے ۔"

(بہادر شاہ دوم ص ۳۹۱)

(بحوالہ فضل حق خیر آبادی اور سن ستاون ص ۵۲،۵۱)

آغشتہ ایم ہر سرِ خارے بخونِ دل
قانونِ باغبانیِ صحرا نوشتہ ایم

・-・-・-・-✲-・-・-・-・

جنگِ آزادی
کے
مخالف کون؟

کہیں گرتی ہوئی دیواریں، کہیں جھکتی چھتیں

آپ کہتے ہیں، تو یہ قصرِ وفا ہی ہوگا

جن لوگوں نے دُوسروں کا کیا دُھرا اپنے کھاتے میں ڈالنے کی کوشش میں قلم سے گھاس کھُدائی شروع کر رکھی ہے، تاریخ سے پوچھیں کہ ہر ایسے موقع پر جب دین و ملت کیلئے کوئی فیصلہ کُن مرحلہ سامنے آیا اُن کا کردار کیا رہا ہے۔ تو حیرت انگیز انکشافات سامنے آتے ہیں یہ دُرست ہے کہ ان "بڑوں" کے چھوٹے اب خود "تاریخ ساز" ہیں، اور اس معاملے میں خود کفیل ہوتے جا رہے ہیں، انہیں اب اپنے خول سے باہر جھانکنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی مگر اس طرح آنکھیں بند کر لینے سے خطرات ٹل تو نہیں جایا کرتے۔ اپنی ذات میں گم رہنے کی اس نئی تاویل سے حقائق کا شیر تو اندھا نہیں ہو جاتا۔ واقعات کو کُریدیں تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اسماعیل دہلوی اور سید احمد صاحبان انگریز کے ایما پر سکھوں اور مُسلمانوں سے "جہاد" کرتے رہے اور ان کے ساتھیوں نے زیادہ تر جنگِ آزادی میں انگریزوں کا ساتھ دیا۔ اور انگریز کے خلاف جہادِ حریت میں حصہ لینے والے وہی عُلماء تھے، جو اسمٰعیل دہلوی کے مخالف تھے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت جن کے عقیدے اور ایمان کی بنیاد تھی۔ ہم ان حقائق کے رُخ سے نقاب ہی نہ اُٹھا سکیں تو ہماری کم ہمتی ہے ورنہ سچائیاں چھُپنے کیلئے نہیں ہوتیں ؎

عشق ہی کے ہاتھوں میں کچھ سکت نہیں رہتی
ورنہ چیز ہی کیا ہے گوشۂ نقاب اُن کا

ہنگامہ ۱۸۵۷ء میں پورے جوش کے ساتھ انگریزوں کے خلاف جنگ میں
حصّہ لینے والے وہ سب کے سب علمائے کرام شامل تھے۔ جو عقیدۃً حضرت سیّد احمد
اور حضرت شاہ اسماعیل کے شدید ترین دشمن تھے اور جنہوں نے حضرت شاہ
اسماعیل کے رد میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں اور اپنے شاگردوں کو لکھنے کی وصیّت
کی ہے۔" (حاشیہ مقالات سرسیّد۔ حصّہ شانزدہم)

از محمّد اسماعیل پانی پتی ص ۳۵۲

اس حقیقت کا اعتراف خود اہل حدیث حضرات کے ایک عظیم رہنما نواب صدیق حسن
خان نے اپنی تصنیف "ترجمانِ وہابیہ" میں یوں کیا ہے۔

"زمانہ غدر میں سواروں اور تلنگوں نے بعض مولویوں سے زبردستی جہاد کے
مسئلہ پر مُہر کرائی۔ فتویٰ لکھا۔ جس نے انکار کر دیا اس کو مار ڈالا اور اس
کا گھر لُوٹ لیا۔ سو وہ مُہر کرنے والے اور فتوے لکھنے والے بھی غالباً وہی لوگ تھے
جو اہلِ سُنّت واہلِ حدیث کو زبردستی "وہابی" نام رکھتے ہیں۔"

("ترجمانِ وہابیہ" از نواب صدیق حسن۔ ص ۵۵)

اہلحدیث حضرات کے ایک اور بہت بڑے عالم و فاضل مولوی محمد حسین بٹالوی اپنی کتاب
"الاقتصاد فی مسائل الجہاد" میں کہتے ہیں کہ جن مسلمانوں نے جنگ آزادی میں حصّہ لیا تھا وہ قرآن و
حدیث کی رُو سے مفسد، باغی اور بدکردار تھے ان میں سے جو علماء کہلاتے تھے، وُہ بھی قرآن و
حدیث سے بے بہرہ، نافہم اور بے سمجھ تھے —— ان وہابیوں کے نزدیک قرآن و حدیث کی
تعلیمات کا ماحصل یہ ہے کہ انگریزوں کی کاسہ لیسی کرو۔ ان کے انگیخت کرنے پر ان کے مخالفوں سے
جنگ کرو، ان سے مصروفِ جہاد لوگوں کے خلاف فتوے دو، انگریزوں کے ہمزبان ہو کر مجاہدین
کو مفسد، باغی اور بدکردار قرار دو اور حکومتِ انگلشیہ کے ساتھیوں کو "مجاہدین" قرار دو۔
"مفسدہ ۱۸۵۷ء میں جو مسلمان شریک ہُوئے تھے وہ سخت گنہگار اور بحکمِ

قرآن وحدیث وہ مفسد، باغی اور بد کردار تھے، اکثر ان میں عوام کالانعام تھے بعض جو خواص وعلماء کہلاتے تھے وُہ بھی اصلِ علوم دین (قرآن وحدیث) سے بے بہرہ تھے یا نافہم وبے سمجھ، باخبر اور سمجھ دار علماء اس میں ہرگز شریک نہیں ہوئے۔"

(الاقتصاد فی مسائل الجہاد ص ۴۹)

محمد میاں صاحب ناظم جمعیۃ علماء ہند کا اعتراف ملاحظہ کیجیے کہ وہابی تحریک جس کا مرکز صادق پور تھا۔ تحریکِ آزادی کی مخالف تھی۔

"دُوسری تنظیم جو اس تحریک کے زمانے میں موجود تھی وہ تنظیم ہے جس کو وہابی تحریک کا ذمہ دار قرار دیا جاتا ہے جس کا مرکز صادق پور تھا یہ تنظیم بحیثیتِ تنظیم تحریک سے الگ رہی بلکہ اگر مولانا عبد الرحیم صاحب مصنف "الدر المنثور" کا قول صحیح تسلیم کر لیا جائے تو یہ تنظیم ۱۸۵۷ء کی تحریک کی مخالف رہی۔"

(علماء ہند کا شاندار ماضی) جلد چہارم ص ۲۱۳)

دیوبندی حضرات اسمٰعیل دہلوی صاحب کے مخالفوں کے بارے میں کیا خیالات رکھتے ہیں اور اپنی رحمدل گورنمنٹ کی خوشامد میں کیا زبان استعمال کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے۔

"بعض کے سروں پر موت کھیل رہی تھی انہوں نے کمپنی (انگریزی حکومت) کے امن وعافیت کا زمانہ قدر کی نگاہ سے نہ دیکھا اور اپنی رحمدل گورنمنٹ کے سامنے بغاوت کا عَلم قائم کیا۔"

(تذکرۃ الرشید، حصہ اوّل از عاشق الٰہی میرٹھی ص ۷۳)

مشاہدے کو تو کانٹوں کی بھیک بھی نہ ملی
سُنا تھا صحنِ گلستاں میں پھول کھلتے ہیں

انگریزوں کا

ایک حاشیہ بردار

واقف نہیں تو اس کے لبوں کو کنول نہ لکھ

الفاظ کو خضاب لگا کر غزل نہ لکھ

اسماعیل دہلوی نے جس قسم کی "مجددیت" کا آغاز کیا تھا۔ اس کے بارے میں کچھ اشارات کر چکا ہوں۔ مفصل ذکر آگے آئے گا۔ اس "مجددیت" کی تکمیل کرنے والے ان کے جانشین سید نذیر حسین دہلوی تھے۔

"مولانا شہید (اسمٰعیل دہلوی) نے مجددیت کی بنیاد ڈال دی تھی مگر بسبب اس کے کہ آپ کی عمر صرف ترپن ۵۳ برس کی ہوئی اور ایک معتدبہ زمانہ آپ کا جہاد میں صرف ہوا۔ علمِ الٰہی میں اس کی ضرورت تھی کہ اس تجدید کو کامل کرنے کے لیے ایک خاتم بھی آگے سے موجود رہے ..... اس جانشین سے مراد ہیں مولانا سید محمد نذیر حسین"

"الحیات بعد الممات" سوانح عمری میاں نذیر حسین

ص ۲۰۷

"مجدد" بھی انگریزوں کی وفاداری پر مفتخر تھے، مجددیت کی تکمیل کرنے والے ان جانشین کے متعلق ان کے اپنے محمد جعفر تھانیسری کے الفاظ سُنیے۔

"مولوی نذیر حسین صاحب محدث دہلوی جو ایک نامی خیر خواہ دولتِ انگلشیہ کے ہیں"۔

("کالا پانی" ص ۲۴)

انگریزوں کے ان نامی خیر خواہ کو جنگِ آزادی میں حصہ دلانے کی کوششوں کا ایک ہیولیٰ ملاحظہ

فرماتے ہیں۔

"مولوی میاں نذیر حسین بن جواد علی .... نے ایک طرف تو جہاد کے فتوے پر دستخط کیے اور دوسری طرف انھوں نے ایک انگریز عورت مسز لیسنس کو پناہ دی"۔

(جنگ آزادی ۱۸۵۷ء از محمد ایوب قادری ص ۴۰۹)

اصل میں ہمارے ان دوستوں کی سمجھ میں سرے سے یہ بات آتی ہی نہیں کہ کوئی شخص علامہ فضل حق خیر آبادی کی طرح استقامت کا مظاہرہ بھی کر سکتا ہے۔ چونکہ اس جنگ میں "وہابیوں" کا کردار اجتماعی قومی اور ملی مفاد کے خلاف تھا۔ اس لیے وہ جنگ آزادی کے ہیروؤں کے خلاف تو زبان کھولنے کے کئی ڈھنگ نکالتے ہیں۔ اور "اپنوں" کی عظمت کے اظہار کے لیے کئی جھوٹ بولتے ہیں، تعجب ہے کہ میاں نذیر حسین تو جہاد کے فتوے پر دستخط کرنے سے انکار کرتے ہیں (الحیاۃ بعد الممات ص ۱۲۵) اور پروفیسر محمد ایوب قادری صاحب فتوے پر ان کے دستخط "ثابت" کرتے ہیں۔ اس کے برعکس علامہ فضل حق فتویٰ دیتے ہیں۔ عدالت میں فتوے پر اصرار کرتے ہیں اور پروفیسر صاحب کہتے ہیں کہ انھوں نے فتویٰ دیا ہی نہیں انھوں نے انگریز عورت کو پناہ دینے کی بات بھی اس انداز سے کہی ہے۔ جیسے انسانی ہمدردی کے جذبے سے ایسا کیا گیا ہو حالانکہ نذیر حسین صاحب نے انگریزوں کی خوشنودی کے لیے ایسا کیا تھا جس کے نتیجے میں انہیں سندیں اور نقد انعامات ملے ــــ لیکن پروفیسر ایوب قادری صاحب ہی کی بات کیا کیجیے، غلام رسول مہر تو ان سے بھی کئی قدم آگے نکل گئے ہیں اور غلط بیانی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میاں صاحب (سید نذیر حسین دہلوی) نے اس کا صلہ کچھ نہیں لیا تھا محض اسلامی فرض سمجھ کر انگریز خاتون کو پناہ دی تھی۔

"یہ صحیح ہے کہ میاں نذیر حسین مرحوم نے ایک زخمی انگریز عورت کو جو بے بس پڑی تھی، اُٹھا کر اپنے ہاں علاج کیا تھا وہ تندرست ہو گئی اور اُسے اُس کی خواہش کے مطابق دہلی کا محاصرہ کرنے والی انگریزی فوج کے کیمپ بھی

پہنچا دیا گیا۔ مگر اس کا صلہ کچھ نہیں لیا تھا اور کہا تھا کہ یہ میرا اسلامی فرض تھا۔"

اب ذرا حقایق کی طرف بھی جھانک لیجیے۔ اور یہ تو میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ جو کچھ کہوں گا ان لوگوں کی اپنی کتابوں سے کہوں گا۔

سید نذیر حسین دہلوی کی سوانح عمری "الحیاۃ بعد المماۃ" مطبوعہ مکتبہ شعیب، حدیث منزل کراچی میں ہے۔

"تین مہینوں کے بعد جب پوری طرح امن قائم ہو چکا تب اس نیم جاں میم، کو جو اب بالکل تندرست اور توانا تھی، انگریزی کیمپ میں پہنچا دیا جس کے صلے میں مبلغ ایک ہزار تین سو روپے اور مندرجہ ذیل سارٹیفکیٹس ملیں۔"

(الحیات بعد الممات" از فضل حسین بہاری ص ۱۲۷)

فضل حسین بہاری کے علاوہ خود پروفیسر محمد ایوب قادری نے بھی "حیات سید احمد شہید" میں تسلیم کیا ہے کہ مجددیتِ اسماعیل کے اس تکمیل کنندہ نے سفر و حضر میں انگریزوں کی سندوں کو حرزِ جاں بنائے رکھا۔

"میاں نذیر حسین وفادار گورنمنٹ ٹھہرے اور کوئی الزام ثابت نہ ہو سکا جب میاں صاحب حج کو تشریف لے گئے تو کمشنر دہلی کا خط ساتھ لے گئے گورنمنٹ انگلشیہ کی طرف سے ۲۴ جون ۱۸۹۷ء کو شمس العلماء کا خطاب ملا۔"

(الحیات بعد الممات ص ۸۱، ۱۰۰)

تذکرہ رجال از محمد ایوب قادری۔ "تتمہ حیات سید احمد شہید" مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی ص ۳۸۴

مولوی نذیر حسین صاحب کو وفاداری کے جو سرٹیفکیٹ عنایت ہوئے، ان میں سے ایک کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

"مولوی نذیر حسین دہلی کے ایک بہت بڑے مقتدر عالم ہیں جنہوں نے نازک

وقتوں میں اپنی وفاداری، گورنمنٹ برطانیہ کے ساتھ ثابت کی ہے۔۔۔۔ جس کسی برٹش گورنمنٹ افسر کی وہ مدد چاہیں گے وہ اُن کو مدد دے گا کیونکہ وہ کامل طور سے اس مدد کے مستحق ہیں"۔ دستخط جے ڈی ٹرمیلٹ بنگال سروس

کمشنر دہلی و سپرنٹنڈنٹ ۔ ۱۰ اگست ۱۸۸۳ء

(الحیاۃ بعد المماۃ ص ۱۴۰)

سنبھل کر پاؤں رکھنا میکدے میں شیخ جی صاحب
یہاں پگڑی اچھلتی ہے، اسے میخانہ کہتے ہیں

جب علامہ فضلِ حق اور دوسرے علماء حق انگریزوں کے خلاف لڑ رہے تھے "وہابی" انگریز سرکار کی مدحت سرائی میں رطب اللسان تھے۔ الحیات بعد الممات میں ابتہاج و افتخار کے ساتھ مولوی نذیر حسین المعروف میاں صاحب کی انگریزوں کی کاسہ لیسی کا ذکر کیا گیا ہے۔

"یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ میاں صاحب بھی (زور لفظ "بھی" پر ہے) گورنمنٹ انگلشیہ کے کیسے وفادار تھے۔ زمانہ غدر ۱۸۵۷ء میں جبکہ دہلی کے بعض مقتدر اور بیشتر معمولی مولویوں نے انگریزوں پر جہاد کا فتویٰ دیا تو میاں صاحب نے نہ اس پر دستخط کیے نہ مُہر، وہ خود فرماتے ہیں کہ "میاں! وہ ہلڑ تھا، بہادر شاہی نہ تھی وہ بے چارہ بوڑھا بہادر شاہ کیا کرتا، حشرات الارض خانہ برانداز وں نے تمام دہلی کو خراب، ویران، تباہ اور برباد کر دیا۔ شرائط امارت و جہاد بالکل مفقود تھے ہم نے تو اس فتوے پر دستخط نہیں کیا مُہر کیا کرتے۔"

("الحیاۃ بعد المماۃ" مطبوعہ مکتبہ شعیب کراچی ص ۱۲۵)

سچی بات تو یہ ہے کہ آپ باتوں اور تحریروں سے جیسے گل بوٹے سجالیں جب تک کردار نہ ہو سب باتیں نقش بر آب اور صدا بصحرا ثابت ہونگی ؎

سیرت نہ ہو تو عارض و رخسار سب غلط
خوشبو اڑی تو پھول فقط رنگ رہ گیا

اسماعیل دہلوی

کا

سیاسی کردار

انگریزوں کے ساتھ تعلّقات

مجھے انکارِ وصلِ غیر پر کیوں کر نہ شک گزرے
زباں کچھ اور، بُوئے پیرہن کچھ اور کہتی ہے

آج کل سے کچھ لوگوں نے بالالتزام یہ کہنا اور لکھنا شروع کر دیا ہے۔ کہ سید احمد بریلوی اور اسماعیل دہلوی کی "تحریکِ مجاہدین" کا اصل مقصد انگریزوں کی مخالفت تھا۔ اور وہ ہماری "جنگِ آزادی" کے ممتاز ہیرو ہیں۔

کیونکہ حقیقتوں کا پتا چل سکے کہ لوگ،
ملتے ہیں اپنے آپ سے بھی اوڑھ کر نقاب

اس باب میں اس دعوے کی حقیقت کو جاننے کی کوشش کی گئی ہے۔

"اس زمانہ میں بعض حضرات یہ کہنے لگے ہیں کہ "دراصل سیّد احمد شہید کا مقصد انگریزوں کے خلاف جہاد کرنا تھا سکھ تو ویسے ہی درمیان میں آ گئے" یا "اگر سکھ آزادیٔ وطن کے جہاد میں حضرت سید احمد شہید کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہو جاتے تو خود ان سے رزم و پیکار کی کوئی وجہ نہ ہوتی" یا "سکھوں سے فارغ ہونے کے بعد حضرت شہید کا پختہ ارادہ انگریزوں سے جہاد کا تھا"۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ ان تینوں بیانات کا کوئی حقیقی ثبوت موجود نہیں اور صاف اور سچی بات یہی ہے کہ ہرگز ہرگز حضرت کا ارادہ انگریزوں سے جہاد کا نہ تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو سر سید (جو حضرت شہید کے سب سے قریب العہد مؤرخ ہیں) ضرور اس کا ذکر کرتے"۔

(حاشیہ "مقالات سرسید" حصہ شانزدہم از شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی ص ۲۴۸)

سرسید احمد خاں کا مضمون "ڈاکٹر ہنٹر کی غلط فہمیوں کا ازالہ "مقالات سرسید" حصہ نہم کے صفحہ ۱۲۵ تا ۲۰۷ پر چھپا ہوا ہے جس میں انہوں نے دلائل وبراہین کے ساتھ ثابت کیا ہے، کہ سید احمد بریلوی اور اسمٰعیل دہلوی کی "تحریک" کا انگریزی حکومت کی مخالفت سے دُور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ بلکہ یہ لوگ انگریز کے ایما پر سکھوں کے لڑنے کے لیے نکلے تھے، مضمون کے آخر میں مقالات سرسید کے مرتب نے حاشیے میں لکھا ہے۔

"سرسید نے اس مضمون میں یہ بات بار بار لکھی ہے کہ حضرت سید احمد بریلوی اور شاہ اسمٰعیل شہید انگریزی حکومت کے ہرگز ہرگز مخالف نہ تھے اور نہ ہی انہوں نے کبھی ان کے خلاف جہاد کا اعلان کیا۔ سرسید کے اس بیان کی تائید متعدد مورخین نے بھی کی ہے۔ چنانچہ نواب صدیق حسن نے "ترجمان وہابیہ" مطبوعہ امرتسر کے صفحہ ۲۱ اور ۸۰ پر نیز "سوانح احمدی" مؤلفہ مولوی محمد جعفر تھانیسری میں بیس مقامات پر اسی طرح حضرت شاہ اسمٰعیل شہید کی سوانح موسوم بہ "حیات طیبہ" کے صفحات ۱۵۹ ۲۹۲، ۲۹۴ پر بھی اسی خیال کو پیش کیا گیا ہے۔"

("مقالات سرسید" حصہ نہم ص ۲۰۷)

خود ان لوگوں کے رسالہ الفرقان نے اسمٰعیل صاحب پر ایک خاص نمبر شائع کیا تو اس میں بھی اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہی بنی کہ۔

"مشہور یہ ہے کہ آپ نے انگریزوں سے مخالفت کا کوئی اعلان نہیں کیا۔ بلکہ کلکتہ یا پٹنہ میں ان کے ساتھ تعاون کا اظہار کیا۔ اور یہ بھی مشہور ہے۔ کہ انگریزوں نے بعض بعض موقعوں پہ آپ کی امداد بھی کی۔"

(الفرقان، شہید نمبر ۱۳۵۵ھ ص ۷۶)

تو شبانہ می نمائی بہ برِ کہ بُودی امشب
کہ ہنوز چشم مستت اثرِ خمار دارد

سرسید احمد خان اس تحریک اور آزادی کی تحریک کے زمانے کے آدمی تھے، وہ لکھتے ہیں کہ اسمٰعیل دہلوی صاحب نے اثنائے وعظ میں انگریزوں کے خلاف جہاد کے ایک استفتار کے جواب میں فرمایا کہ "ان کے مذہب" کی رُو سے یہ بات ان پر فرض ہے کہ وہ انگریزوں کے خلاف کبھی جہاد میں شریک نہ ہوں یہ کوئی خاص مذہب معلوم ہوتا ہے، دینِ برحق نے تو اس قسم کی کوئی قدغن نہیں لگائی۔

"اثنائے وعظ میں کسی شخص نے ان سے دریافت کیا کہ تم انگریزوں پر جہاد کرنے کا وعظ کیوں نہیں کہتے، وہ بھی تو کافر ہیں اس کے جواب میں مولوی محمد اسمٰعیل صاحب نے فرمایا کہ "انگریزوں کے عہد میں مسلمانوں کو کچھ اذیت نہیں ہوتی اور چونکہ ہم انگریزوں کی رعایا ہیں اس لیے ہم پر اپنے مذہب کی رُو سے یہ بات فرض ہے کہ انگریزوں پر جہاد کرنے میں ہم کبھی شریک نہ ہوں" پس اس زمانہ میں ہزاروں مسلح مسلمان اور بے شمار سامانِ جنگ کا ذخیرہ سکھوں پر جہاد کرنے کے واسطے ہندوستان میں جمع ہو گیا۔"

(مقالاتِ سرسید، حصّہ نہم از سرسید احمد خان۔ ص ۱۴۲)

اس کے بعد سرسیّد نے کمشنر اور مجسٹریٹ کی اطلاع پر گورنمنٹ کا فیصلہ بتایا ہے کہ "ان سے تعرض نہ کیا جائے کیونکہ ان کا ارادہ کچھ گورنمنٹ انگریزی کے مقاصد کے خلاف نہیں ہے"۔

آجکل کے "تاریخ ساز" سرسید پر معترض ہوتے ہیں کہ وہ انگریز سے مسلمانوں کے تعلقات بحال کرنے کے آرزومند تھے اسلیے اس قسم کی باتیں کہتے رہے ورنہ تحریکِ مجاہدین" تھی تو انگریزوں کے ہی خلاف، لیکن آپ دیکھ سکتے ہیں کہ سیّد احمد اور اسمٰعیل صاحبان کے سب سے پہلے مداح اور ساتھی جعفر تھانیسری صاحب بھی اس واقعہ کو نقل کرتے ہیں۔

خلق پندارد کہ میخوار است و مست افتادہ است ‌ ‌ ‌ طاقتِ برخواستن از گردِ تمنا کم نماند

"یہ بھی صحیح روایت ہے کہ اثنائے قیامِ کلکتہ میں جب ایک روز مولانا محمد اسمٰعیل شہید وعظ فرما رہے تھے کہ ایک شخص نے مولانا سے یہ فتویٰ پوچھا کہ سرکارِ انگریزی پر جہاد کرنا درست ہے یا نہیں، اس کے جواب میں مولانا نے فرمایا کہ ایسی بے رو ریا اور غیر متعصب سرکار پر کسی طرح بھی جہاد کرنا درست نہیں۔"

(سوانحِ احمدی، مطبوعہ فاروقی دہلی ص ۷۳)

انھی سے محمد جعفر تھانیسری صاحب کے حوالے سے شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں۔

"مولوی محمد جعفر تھانیسری جنہیں وہابیوں کے مقدمہ سازش میں حبسِ دوام بعبورِ دریائے شور کی سزا ہوئی تھی اپنی کتاب سوانحِ احمدی میں لکھتے ہیں، جب آپ سکھوں سے جہاد کرنے کو تشریف لے جاتے تھے، کسی شخص نے آپ سے دریافت کیا کہ اتنی دور سکھوں پر جہاد کرنے کو کیوں جاتے ہو، انگریز جو اس ملک پر حاکم ہیں وہ دینِ اسلام کے کیا منکر نہیں ہیں۔ گھر کے گھر میں ان سے جہاد کر کے ملک ہندوستان لے لو۔ یہاں لاکھوں آدمی آپ کا شریک اور مددگار ہو جائے گا۔۔۔۔۔ سیّد صاحب نے جواب دیا کہ کسی کا ملک چھین کر ہم بادشاہت کرنا نہیں چاہتے نہ انگریزوں کا، نہ سکھوں کا ملک لینا ہمارا مقصد ہے۔۔۔۔۔ سرکارِ انگریزی گو منکرِ اسلام ہے مگر مسلمانوں پر کچھ ظلم اور تعدّی نہیں کرتی اور نہ ان کو فرضِ مذہبی اور عبادتِ لازمی سے روکتی ہے۔"

(موجِ کوثر ص ۲۰)

چونکہ تھانیسری صاحب کی کتاب میں بیسیوں مقامات پر اس قسم کی کئی سچی باتیں ان کے قلم سے نکل گئی ہیں۔ اور اس وقت وہ انگریز کی وفاداری کو موجبِ فخر و مباہات سمجھتے تھے اس لیے آج کے "محققین" ان پر بھی دروغ گوئی کا الزام لگانے سے نہیں چوکتے، اس قسم کے پروپیگنڈے کے زیرِ اثر قارئین میں سے کئی حضرات شاید جعفر صاحب کو کوئی عام مصنف سمجھتے ہوں ان کی اس غلط فہمی کو رفع کرنے کی خاطر "تحریکِ مجاہدین" کے نام لیواؤں کی تحریروں میں سے جعفر صاحب

اوران کی کتاب "سوانح احمدی" کی حیثیت کے بارے میں چند آرا ملاحظہ ہوں۔

"سوانح احمدی" مطبوعہ صوفی کمپنی کے متعلق جناب مسعود عالم ندوی کہتے ہیں:

اس میں حضرت سیّد صاحب کے حالاتِ زندگی، جہاد اور تعلیمات کا خلاصہ درج ہے، یہ اردو زبان میں سیّد شہید کی سب سے پہلی مرتّب سیرت ہے تاریخی نام تواریخِ عجیبہ ہے۔"

(ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص ۴۲)

اسی کتاب کے صفحہ ۱۷۱ پر لکھا ہے کہ "مصنّف سیّد صاحب کی جماعت سے خاص تعلق رکھتے ہیں"۔

سوانح احمدی کے بارے میں غلام رسول مہر خود یہ لکھنے پر مجبور ہیں۔

"اردو زبان میں سیّد صاحب کے متعلق یہ پہلی کتاب ہے"۔

(سیّد احمد شہید از غلام رسول مہر ص ۲۲)

چند اور آراء ملاحظہ ہوں۔

"سوانح احمدی اور تواریخِ عجیبہ اردو کی پہلی کتاب سیّد صاحب کے حالات میں مقبول و مشہور ہے۔ جس سے سیّد صاحب کے حالات کی بہت اشاعت ہوئی"۔

(سیرتِ سیّد احمد شہید از ابوالحسن علی ندوی ص ۸)

"مولوی محمد جعفر تھانیسری حضرت سیّد صاحب کے نہایت مستند سوانح نگار ہیں"۔ (نقشِ حیات از حسین احمد مدنی ص ۱۴۱)

"مولوی محمد جعفر تھانیسری سیّد احمد شہید کی تحریکِ جہاد کے خاص رکن اور بڑے رازدار تھے۔"

مضمون "جزائر انڈمان ونکوبار میں مسلمانوں کی علمی خدمات"

از پروفیسر محمد ایوب قادری۔ (سہ ماہی اردو کراچی ص ۴۸)

"مولوی محمد جعفر تھانیسری تحریکِ جہاد و اصلاح کے ایک نامور شخص تھے"۔

مضمون "پروفیسر محمد ایوب قادری اور اہلحدیث" از سید ذہین احمد

ہفت روزہ الاسلام لاہور۔ ۵ اگست ۱۹۸۳ء

تھانیسری صاحب کے وہابی ہونے کے ناتے اُن کے سامنے ہر گردن کو جھکانا ضروری سمجھا جاتا ہے لیکن انگریزوں کی کاسہ لیسی کے متعلق "تحریکِ مجاہدین" کے رہنماؤں کے واقعات تھانیسری صاحب کے قلم سے سُن کر سرِ تسلیم جھکانے میں تعرّض ہے۔

"مولوی جعفر تھانیسری سید صاحب کے خاص معتقدین سے وابستہ تھے، اس وابستگی کے باعث انہوں نے خوفناک تکلیفیں اُٹھائیں، گھر بار لُٹایا اور کم و بیش اٹھارہ سال کالے پانیوں میں بسر کیے، ان کی قربانیوں کے سامنے ہر شخص کی گردن احتراماً جھک جانی چاہیے"

(سید احمد شہید از غلام رسول مہر ص ۲۵۸)

"یہ کتاب حیاتِ سید احمد شہید حضرت سید احمد شہید کے مخلص متبع (جعفر تھانیسری) کی تصنیف ہے...... یہ کہنا غیر ضروری ہے کہ اس کتاب کی اہمیت کیا ہے، ہر ہر لفظ سے مجاہد کے دل کی دھڑکن سُنائی دیتی ہے"۔

پیش لفظ "حیاتِ سید احمد شہید" از محمد اقبال سلیم گاہندری

(مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی ص ۴)

"سوانح احمدی سید صاحب کے حالات میں سب سے پہلی کتاب ہے جو زیورِ طبع سے آراستہ ہوئی اور اس موضوع پر دوسری کتابوں کے لیے بنیادی مواد ثابت ہوئی ...... اس میں ان کی سپاہیانہ زندگی اور مجاہدانہ سرگرمیوں کا بیان ہے اور تمام معرکوں کو تفصیل سے پیش کیا گیا ہے جو سکھوں وغیرہ سے پیش آئے تھے"۔

(مقدمہ "حیاتِ سید احمد شہید" از محمد ایوب قادری ص ۱۴)

یہاں "وغیرہ" سے پروفیسر صاحب کی مراد سرحد کے اہلِ اسلام ہیں لیکن لفظ کے ارقام میں ابہام کا

الزام یوں روا رکھا گیا ہے کہ لوگ اس سے انگریز بھی مراد لینا چاہیں تو کوئی حرج نہ ہو۔
ہاں تو جعفر صاحب اپنی کتاب کے مندرجات کے درست ہونے کے متعلق خود کیا کہتے ہیں یہ بھی دیکھنا چاہیے۔

مَیں نے اس کتاب (سوانح احمدی۔ تواریخ عجیبہ) کو بڑے راست باز لوگوں کی متعدد تحریروں سے نقل کیا ہے، جنہوں نے اِن واقعات کو خود دیکھا، میرے نزدیک اس کتاب کی روایت میں دروغ گوئی یا مبالغہ کو کچھ دخل نہیں"۔

("سوانح احمدی" مؤلفہ محمد جعفر تھانیسری ص ۳)

مطبوعہ صوفی پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی منڈی بہاءالدین

جعفر تھانیسری نے اپنی کتاب سوانح احمدی کے خاتمہ میں لکھا ہے کہ "سید صاحب کے حالات میں بیس سے زیادہ بدلائل شرعی اعلانات ہیں کہ سرکار کی مخالفت کوئی نہ کرے"۔ اور مہر صاحب نے اپنی کتاب سید احمد شہید کے ۲۴ ویں باب میں جامع الشرائط امام کے سلسلہ میں تحریر فرمایا ہے کہ جہاد میں کفار و فساق سے بھی مدد لی جاسکتی ہے غیر مسلم دشمن کے مقابلے میں غیر مسلم معاہد کو رفیق بنایا"۔ (سید احمد شہید کی صحیح تصویر از وحید احمد مسعود ص ۱۵۳)

جعفر صاحب نے وہابیت کے جوش میں سید صاحب اور اسمٰعیل صاحب کو "بہت بڑا" ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے۔ حتیٰ کہ مشہور مورخ رئیس احمد جعفری کو ان کی "جانبداری" پر کہنا پڑا۔

"کتاب (تاریخ عجیب۔ کالا پانی) بڑی دلچسپ ہے اور بڑے لرزہ خیز احوال و حوادث پر مشتمل ہے لیکن اس میں ایک بڑی کمی بھی ہے۔ مولانا نے سب کچھ لکھا ہے لیکن رفقائے زنداں کے ذکر سے بالکل گریز کیا ہے۔ ...... حق بات یہ ہے کہ مولانا پر "انا" اور تحریکِ وہابیت کا جوش اس قدر نمایاں غالب تھا کہ وہ اپنے اور اپنی

تحریک کے سوا کسی اور چیز کا ذکر کرنا پسند نہیں کرتے تھے اگر انہوں نے کالے پانی کے دوسرے بلند مرتبت اور اعلیٰ مقام اسیروں کا ذکر کیا ہوتا تو اس کتاب کی افادیت اور اہمیت بہت زیادہ ہوتی"۔ (بہادر شاہ ظفر اور ان کا عہد۔ صفحہ آخر)

وہابیت کے اس جوش میں انہوں نے جس قدر اخفا کیا ہے جتنا اپنے ممدوحین کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا ہے اس سے قطع نظر سوانح احمدی اور مکتوبات سید احمد شہید میں جس قدر سچی باتیں ان کی زبانِ قلم سے نکلی ہیں، انہیں بھی ان کے اخلاف برداشت نہیں کر سکتے اور اب جعفر صاحب کی یہ حالت ہے کہ

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم
نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

سچ بولنے میں کنجوسی سے کام لے کر وہ تاریخ کے گناہگار ہوئے اور ایک آدھ سچا فقرہ یا پیرا لکھ کر اپنے پیرووں کی دشنام طرازی کا ہدف بنے۔ فَاعْتَبِرُوْا یَا اُوْلِی الْاَبْصَار،

اب ملاحظہ فرمایئے کہ انگریزوں کے خلاف جہاد نہ کرنے کے شاہ اسمٰعیل صاحب کے فتوے کے اندراج پر سرسید احمد خاں اور جعفر تھانیسری تو اپنی قوم کے معتوب ہوئے تھے لیکن اس کو کیا کیا جائے کہ اسمٰعیل دہلوی کو "پیارے شہید" اور علامہ فضل حق کو "مولوی منطقی" لکھنے والا مرزا حیرت دہلوی بھی اس واقعے کی تصدیق کرتا ہے۔ اور زیادہ واضح الفاظ میں کہ انگریز کے دشمن کو "پیارے شہید" نے اپنا دشمن قرار دیا تھا —— یہ اور بات ہے کہ آج کے "دانشور" اس حرکت پر مرزا حیرت کو "جھوٹوں کا بادشاہ" کہتے ہیں۔

جو تیرے راز داں تھے، بڑے معتبر ملے
کچھ نیم آشنا ملے، کچھ بے خبر ملے

کلکتہ میں جب مولانا اسمٰعیل صاحب نے جہاد کا وعظ فرمانا شروع کیا ہے اور سکھوں کے مظالم کی کیفیت پیش کی ہے تو ایک شخص نے دریافت کیا آپ

انگریزوں پر جہاد کا فتویٰ کیوں نہیں دیتے آپ نے جواب دیا ان پر جہاد کرنا کسی طرح واجب نہیں ایک تو اُن کی رعیّت ہیں، دوسرے ہمارے مذہبی ارکان کے ادا کرنے میں وہ ذرا بھی دست اندازی نہیں کرتے ہمیں ان کی حکومت میں ہر طرح آزادی ہے بلکہ ان پر کوئی حملہ آور ہو تو مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اس سے لڑیں اور اپنی گورنمنٹ پر آنچ نہ آنے دیں۔

(حیاتِ طیبہ از مرزا حیرت دہلوی ص ۲۹۶) مطبوعہ فاروقی دہلی

یاد رہے کہ یہ وُہ کتاب ہے جس کو پہلے ان لوگوں نے مستند اور مضبوط کتاب قرار دیا تھا۔

"دُوسری کتاب مرزا حیرت مرحوم کی حیاتِ طیبہ ہے جو شاہ اسمٰعیل کی نہایت مبسوط سوانح عمری ہے"۔ (الفرقان، شہید نمبر ۱۳۵۵ھ ص ۵۱)

جعفر تھانیسری اور مرزا حیرت نے اپنے ممدوحین کو "بنانے سنوارنے" میں اپنی عاقبت خراب کرلی بہت کچھ کیا — کیا کچھ کیا نہ خود کو چھپانے کے واسطے

عُریانیوں کو اوڑھ لیا شال کی طرح

لیکن انگریزوں سے سیّد و اسمٰعیل کی وفاداری کہیں نہ کہیں ان دونوں کے قلم سے جھلک ہی پڑی، سیّد محمد میاں صاحب ناظم جمعیۃ علماءِ ھند کہتے ہیں کہ انگریز کے شکنجۂ انتقام سے بچنے کے لیے ہم پہلے یہ کہتے رہے ہیں کہ یہ "مجاہد" انگریز کے مخالف نہیں تھے (استقامت۔ استقلال ہمت، جرأت اور حق گوئی کی داد دیجیے)

دُوسری طرف سیّد صاحب کے وہ ماننے والے جن کو وہابی کہا جاتا تھا۔

جب تقریباً نصف صدی تک انگریزی اقتدار سے ٹکراتے رہنے کے بعد چکنا چُور ہو گئے اور مجبوراً ان کو اپنی شکست تسلیم کرنا پڑی تو عوام کے ہنگامہ کا جواب تو انھوں نے مجلسِ مناظرہ کی ہنگامہ آرائی اور رسالوں اور پمفلٹوں کی اشاعت سے دے دیا مگر انگریز کے شکنجۂ انتقام سے بچنے کے لیے لامحالہ ان کو یہ ثابت کرنا پڑا!

کہ سید صاحب اور آپ کے ساتھی انگریزی حکومت کے وفادار تھے اور ان کی مجاہدانہ سرگرمیاں صرف سکھ حکومت کے خلاف تھیں ..... چنانچہ اعلام نامہ کا یہ فقرہ سوانح احمدی ص ۲۳۶ میں جلی قلم سے لکھا گیا ہے۔ "نہ با سرکارِ انگریزی مخاصمت داریم و نہ ہیچ راہ تنازعات کہ از رعایا اوما ستیم و بحمایتش از مظالم بریایا۔"

(علماء ہند کا شاندار ماضی - جلد دوم ص ۲۸۴)

بھئی یہ تو بتاؤ کہ سید احمد اور اسماعیل دہلوی نے انگریزی اقتدار کے خلاف وہ کون سا تیر مارا تھا جس کو تم انگریز کے ڈر سے آج تک چھپاتے رہے ہو اور اب اس راز کو طشت از بام کرتے ہو۔ پھر یہ "نصف صدی تک انگریزی اقتدار سے ٹکراتے رہنے" کی بلند بانگی تمہارے ان مقتداؤں کے قامت پر موزوں کب ہے۔ تم پچاس برس کی بات کرتے ہو۔ میں کہتا ہوں کسی ایک لمحے کی بات کرو جب انھوں نے انگریزی اقتدار سے ٹکرانے کی خواہش کا اظہار کیا ہو۔ مبالغہ تو اسے کہتے ہیں کہ کم کو زیادہ بتایا جائے لیکن عنقا کو ہاتھیوں کی ڈار کہنے کو کیا کہتے ہیں۔

کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا

مقتدر وہابی لیڈر سید نذیر حسین کی سوانح عمری میں اس "تحریکِ مجاہدین" کی اصلیت کا ذکر ان الفاظ میں ہے۔

"آپ (اسماعیل دہلوی) نے اپنے شیخِ طریقت سید احمد صاحب کو امام تسلیم کر کے مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ جہاد کے لیے پنجاب پہنچے گورنمنٹ انگلشیہ نے بھی آپ کے اس ارادے میں کسی طرح کی مزاحمت یا پیچیدگی پیدا نہیں کی۔"

(الحیات بعد الممات - ص ۲۰۳)

اب دیکھیے کہ نواب صدیق حسن اس تحریک کو کیا گردانتے ہیں اور ان کی انگریز دوستی کے متعلق کیا کہتے ہیں مگر پہلے نواب صاحب کے متعلق غلام رسول مہر کی رائے ملاحظہ فرمالیں۔

"نواب صاحب مرحوم نے سید صاحب کا ذکر مختلف کتابوں میں کیا ہے .....

پھر نواب کا تعلق فرمانروایانِ ٹونک اور اعزہ سیّد صاحب سے بھی برابر قائم رہا اسلیے انھیں سیّد صاحب کے خاصے حالات معلوم ہوں گے۔"

(سیّد احمد شہید۔ ص ۲۳)

نواب صدیق حسن اس بات کی پُر زور اور بدلائل تردید کرتے ہیں۔ کہ "تحریکِ مجاہدین" والے انگریزوں کے خلاف تھے۔

"نہ انھوں نے سرکاری انگریزی سے کبھی جہاد کیا اور نہ ہندوستان میں فتویٰ جہاد کا لکھا۔۔۔۔۔ اسی طرح جو تصنیف سیّد احمد شاہ صاحب بریلوی اور ان کے مریدوں کی ہے اس میں کہیں بھی ذکر وہابیوں کا نہیں ہے اور نہ مسئلہ جہاد کا لکھا ہے۔۔۔۔۔ تقویۃ الایمان مؤلفہ مولوی اسمٰعیل دہلوی ہے اس میں ذکر ردِ شرک و بدعت کا ہے۔ کہیں وہابیوں کا اور مسئلہ جہاد کا پتا بھی نہیں۔۔۔۔۔ گورنمنٹ اگر ساری کتابوں کو جمع فرما کر ملاحظہ کرلے گی تو کسی کتاب میں ان کُتب سے مسئلہ جہاد کا یا بغاوت کا سرکار انگلشیہ سے یا فساد سکھانے کی کوئی بات نہ پاوے گی۔"

(ترجمان وہابیہ ص ۵۱، ۵۲)

کرشمہ گرمِ سوال است، لب مکن رنجہ
کہ احتیاج بہ پُرسیدنِ زبانی نیست

ایک اور مشہور "وہابی" کا اعتراف ملاحظہ فرمائیے اور سوچیے کہ یہ کس کس کو دشنام طرازی کا ہدف بناتے رہیں گے۔ ان کی تو ساری کتابوں میں یہ حقیقت کسی نہ کسی طرح اُبھر آئی ہے سیّد صاحب — مولوی اسمٰعیل صاحب نے انگریزوں سے جہاد کرنے کا ارادہ نہیں کیا اور مولوی اسمٰعیل صاحب نے کلکتہ میں اپنی مجلسِ وعظ میں برملا کہہ دیا کہ ہم کو انگریزوں سے جہاد کرنا جائز نہیں۔"

(اشاعت السنۃ از مولوی محمد حسین بٹالوی
صہ ۵ ۔ضمیمہ ۶ ۔جلد ۲

پہلے تو سب لوگ یہ حقیقت ظاہر کرتے رہے کہ سید احمد اور شاہ اسمٰعیل انگریزوں کے وفادار اور ایجنٹ تھے مگر اب دینی محاذ پر فضل حق اور ان کے شاگردوں سے شکست کھانے کے بعد سیاسی طور پر مذکورہ بالا دونوں "مجاہدوں" کو لیڈر بنانے کی خواہش کی جارہی ہے اس واقعے کا اعتراف ملاحظہ کیجیے ۔

"حضرت کی شہادت کے بعد جو حالات پیدا ہوئے ..... اس زمانے میں جو کتابیں حضرت شہید اور ان کے مقاصد پر لکھی گئیں، ان میں اس کو بار بار ثابت کیا گیا۔ کہ انگریزوں کے خلاف حضرت سیّد احمد شہید نے کوئی حرکت نہیں کی" ۔
تحریک جہاد کا قیمتی سرمایہ (پیش لفظ "مکتوبات سید احمد شہید)
از محمّد اقبال سلیم گاہندری صہ ۴

سر سید نے ایک اور پہلو سے انگریزوں سے ان حضرات کی "برخورداری" کی وضاحت کی ہے ۔

"وہ اپنے بال بچوں اور مال واسباب کو گورنمنٹ انگریزی کی حفاظت میں چھوڑ گئے تھے اور ان کے مذہب میں اپنے بال بچوں کے محافظوں پر حملہ کرنا نہایت ممنوع ہے"۔ (مقالات سر سیّد، حصّہ نہم صہ ۱۴۸)

مسعود عالم ندوی صاحب اس "تحریک مجاہدین" کو ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک سمجھتے ہیں لیکن اس بات کو ماننے پر مجبور ہیں کہ انگریزی حکومت کی پالیسی کے مطابق ان "مجاہدوں" نے سکھوں سے جنگ لڑی ۔ ملاحظہ کیجیے ۔

"اُس وقت کشمیر کے راجہ گلاب سنگھ اور مجاہدین کے درمیان جنگ جاری تھی، راجہ کو شکست ہوئی اور اس نے انگریزوں کے سائے میں جاکر پناہ لی،

جو اُس وقت تک پنجاب پر قابض ہو چکے تھے۔ حکومت نے مولانا ولایت علی کو اطلاع دی کہ اب گلاب سنگھ پر حملہ خود انگریزی حکومت سے لڑائی مول لینا ہوگا، حکومت کی پالیسی یہ تھی کہ مجاہدین کے ذریعے سکھوں کی طاقت توڑ دی جائے اسی لیے شروع شروع مجاہدین سے روک ٹوک نہیں کی گئی، لیکن پنجاب کا اکثر حصّہ انگریزوں کے قبضے میں آگیا تو مجاہدین حکومت کی نگاہ میں کھٹکنے لگے، مجاہدین بھی خواہ مخواہ حکومت سے نبرد آزما ہونا خلافِ مصلحت سمجھتے تھے۔"

"ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک"

از مسعود عالم ندوی ۔ ص ۵۵-۵۴

ازراہِ کرم اس اقتباس کو بار بار پڑھیے، کئی مسائل اس میں حل ہو گئے ہیں، جب پنجاب پر انگریز قابض ہو جاتے ہیں تو راجہ گلاب سنگھ پر حملے سے "مجاہدین" کو روک دیتے ہیں، "شروع شروع" میں مجاہدین سے روک ٹوک نہیں کی گئی، انگریز مجاہدین کے ہاتھوں سکھوں کی طاقت توڑنا چاہتے تھے اور مجاہدین اُن کی یہ ڈیوٹی انجام دے رہے تھے، اور مجاہدین کے نزدیک حکومت انگلشیہ سے نبرد آزما ہونا "خواہ مخواہ" بھی تھا اور خلافِ مصلحت بھی! اللہ اکبر!

اب ان لوگوں کے ہاتھوں عبیداللہ سندھی صاحب کا جو حال ہو گیا، وہ تو بہر حال دیدنی ہوگا مگر انہوں نے "جماعتِ مجاہدین" کا گزارا، انگریزی حکومت کے نان نفقے پر قرار دیا ہے۔ دیکھ لیجیے،

"ایک دفعہ میں سرحد پار بنیر کے مقام پر گیا ۔ ۔ ۔ ۔ میں اس اُمید میں کہ شاید سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید کی جماعتِ مجاہدین میں زندگی کی کوئی کرن دکھائی دے، اُدھر چل دیا۔ وہاں پہنچکر جو کچھ میں نے دیکھا، وہ حد درجہ افسوسناک اور قابلِ رحم تھا، وہاں پہنچ کر مجھے معلوم ہوا کہ وہ جماعت جو

مُجاہدین" کے نام نامی سے یاد کی جاتی ہے، کس بُری حالت میں ہے اور اس کی گزران اور اس کی زندگی کس طرح صاحبزادہ عبدالقیوم خان کی وساطت سے انگریزی حکومت کی رہینِ منت ہے"۔

(افادات وملفوظاتِ مولانا عبیداللہ سندھی ۔از محمد سرور)
ص ۳۶۲

حضراتِ گرامی قدر! آپ نے کبھی یہ دیکھا کہ حالات و واقعات سامنے ہوں، متعلقہ لوگوں کی اپنی تحریریں، تاریخ کی کتابیں، متعلقہ لوگوں کے ساتھیوں کی شہادتیں سامنے ہوں آپ انہیں مسلمات بھی سمجھیں مگر ساتھ ہی یہ بھی کہیں کہ ہمارے خیال میں یہ واقعات دُرست نہیں، انگریزوں کی مخالفت کا اسمٰعیل و سید احمد کے واقعات وحالات میں کہیں ذکر نہیں اس کا انہیں بھی اعتراف ہے، انگریزوں سے ان کی معاونت کو آپ مسلمات میں سے سمجھتے ہیں لیکن پھر بھی کہتے ہیں کہ وہ اصل میں انگریز کے خلاف ہی تھے۔ سُبحان اللہ

"مشہور یہ ہے کہ آپ نے انگریزوں سے مخالفت کا کوئی اعلان نہیں کیا بلکہ کلکتہ یا پٹنہ میں ان کے ساتھ تعاون کا اظہار کیا۔ اور یہ بھی مشہور ہے کہ انگریزوں نے بعض بعض موقعوں پر آپ کی امداد بھی کی، لیکن ان مسلمات کے باوجود احقر کا یہ خیال ہے کہ حضرت شہید کی تمام مساعی عام استیلاء ملت اور بالخصوص انگریزوں سے جہادِ حق اور استخلاصِ وطن کے لیے تھیں..... ہم کسی طرح تسلیم نہیں کرتے کہ شاہ اسمٰعیل شہید اپنے اُستاد اور عمِ محترم اور شیخ الشیخ (دادا پیر) حضرت شاہ عبدالعزیز کے اس فتوے کے برخلاف کوئی رائے رکھتے تھے"۔

مضمون "اسلامی حریت کا علمبردار" از محمد میاں
مصنف "علماءِ ہند کا شاندار ماضی"
کتاب "شاہ اسمٰعیل شہید" مرتبہ عبداللہ بٹ ص ۱۹۲

انگریزوں کی دعوتیں

خُم پہ خُم پی گئے ہیں اک حضرت
پیٹ ہے یا پکھال چمڑے کی

"تحریکِ مجاہدین" کے رہنماؤں کا انگریزوں کے خلاف جہاد کے بارے میں موقف سامنے آچکا ہے، انگریزوں سے ان کی وفاداری کے اعلانات اور واقعات پیش کیے جا چکے ہیں، انگریزوں کی ہوسِ اقتدار سے نبرد آزما لوگوں کو یہ "مجاہد" برا سمجھتے ہیں اور اس بات کا برملا اعلان کرتے ہیں کہ ان کی عملداری میں دین کو جو ہر طرح سے خیریت ہے، اس کے بعد انگریزوں سے جنگ لڑنا ان کے "مذہب" کی رُو سے جائز نہیں اور ہر بات پر انگریزوں کی وفاداری اور خدمت گاری کا اعلان کرتے رہے۔

اب آپ "مصوّرانِ معتبر" کی بنائی ہوئی تصویر کے علی الرغم شاہ اسمٰعیل اور سیّد احمد کی ذات کے اس پہلو کی عکاسی ملاحظہ کریں، جس میں اُن کے ساتھ انگریزوں کے مراسم ظاہر ہوتے ہیں، یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ان کے انگریز سرپرستوں کو اُن کی تحریک کی کامیابی کے لیے کتنی جلدی تھی، وہ اُنھیں کھلا پلا کر تیار کرتے تھے۔ اور یہ بھی انگریزوں کا مال شیرِ مادر کی طرح ڈکار لیے بغیر ہضم کر جاتے تھے۔

مارا ہوسِ صحبتِ جاں پرورِ یار است
ورنہ غرض از بادہ، نہ مستی، نہ خمار است

سب سے پہلے تو سیّد احمد بریلوی کے سب سے "عظیم سوانح نگار" کی زبان سے دعوت کھانے

کی بات سُنیئے، "ایک انگریز کا سارے قافلے کی دعوت کرنا" کے زیرِ عنوان لکھا ہے۔

"ایک انگریز گھوڑے پر سوار بہت سا کھانا قسم قسم کا، بہنگیوں میں رکھوائے ہوئے چلا آتا ہے۔ اس نے کشتی کے نزدیک آکر پوچھا کہ پادری صاحب کہاں ہیں؟ .... بعد سلام و مزاج پُرسی کے عرض کیا کہ تین روز سے مَیں نے نوکر واسطے لانے خبر تشریف آوری حضوُر اس طرف تعینات کر رکھے تھے سو آج اُنھوں نے مجھ کو خبر دی یہ ماحضر واسطے حضوُر اور کل قافلے کے تیار کر کے لایا ہُوں، براہِ بندہ نوازی اس کو قبول فرمائیں، حضرت نے اپنے آدمیوں کو حُکم دیا کہ فوراً وہ کھانا اپنے برتنوں میں لے کر قافلے میں تقسیم کر دو قریب دو گھڑی تک وہ انگریز حضور میں حاضر رہا۔"

(سوانحِ احمدی، از جعفر تھانیسری صـ ۴۹)

جعفر تھانیسری صاحب کو تو اسی قسم کی حقیقتیں لکھ جانے پر "دوستوں" نے غلط گو قرار دے ڈالا ہے لیکن انگریزوں کی روٹیوں پر گزارا کرنے کا یہ واقعہ ان صاحب کے علاوہ ایک ایسے صاحب بھی لکھتے ہیں، جو نہ صرف یہ کہ چشم دید گواہ ہیں بلکہ شریکِ طعام بھی تھے کیونکہ سیّد احمد دہلوی کے سگے بھانجے ہیں، سیّد محمد علی۔

لرز رہی ہے مری لو پڑے پڑے ہی ظفرؔ!
وُہ لے چلے ہیں کہاں سامنے ہُوا کے مجھے

سیّد محمد علی کے بارے میں غلام رسُول مہر لکھتے ہیں۔

"سیّد صاحب (سیّد احمد بریلوی) کے چار بھانجے تھے بڑے سیّد محمد علی، جنھوں نے ابتدا سے آغازِ جہاد تک کے حالات لکھے اور اس کتاب کا نام "مخزنِ احمدی" رکھا، وہ ایک مرتبہ چھپ بھی گئی تھی مگر اب کمیاب بلکہ نایاب ہے۱؎۔"

(افاداتِ مہر۔ صـ ۱۳۹)

۱؎ اب دوبارہ چھپ گئی ہے، مکتبۂ قادریہ لاہور سے مل سکتی ہے، قیمت ۰۰-۱۲

اس نایاب کتاب کا ایک نسخہ مکرّم حکیم محمد موسیٰ امرتسری (بانی وصدر مرکزی مجلس رضا لاہور) کے کتب خانے میں محفوظ ہے اس کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

"انگریزی بر اسپے سوار مع چند محافہا پُر از طعام متصل کشتی رسید و پرسید کہ پادری صاحب کجاست، حضرت از کشتی جواب دادند کہ اینجا موجودم تشریف بیارند فی الفور از اسپ فرود آمدہ و کلاہ خود بدست خود ہمچناں کشتی رسید و بعد از پرسش حال یک دگر بعرض رسانید کہ از سہ روز خبر داران ما برای اخبار قافلہ شریف بہمراہی حضرت موجود بود امروز خبر آوردند کہ اغلب کہ حضرت مع قافلہ امروز بمحاذات مکان شما فروکش خواہند شد بمجرد این بود فرحت جاوید برائی ترتیب ماحضری تا غروب آفتاب مشغول بودم، چوں طیار گردید، بخدمت حاضر آوردم حضرت ملازمان را مامور ساختند تا آں طعمہ را از ظروف وا وانی ایشان برآوردہ ظروف خویش بگیرند، مامورین حسب الامر بجا آوردہ در قافلہ تقسیم ساختند"

(مخزن احمدی از سیّد محمد علی ص۶۷)
مطبوعہ مطبع مفید عام آگرہ

یہی واقعہ ابوالحسن علی ندوی نے سیرت سید احمد حصّہ اوّل میں تحریر کیا ہے (ص ۲۱۷،۱۸)

ظاہر ہے کہ ہر روز جو انگریز ان کی دعوتیں کرتے تھے ان سب کا ذکر تو نہیں کیا جاسکتا تھا مگر چونکہ یہ ایک آدھ بار کا واقعہ نہیں اسلیے ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں کہ موضع اسرولی سے چار میل پہلے۔

حضرت کے پاس ایک انگریز کی ہندوستانی بیوی آئی اور کھانے کی دعوت دی انھوں نے انکار کردیا پھر وہ فرنگی آیا تو آپ نے فرمایا، تمھاری دعوت کیوں نہ قبول کریں گے۔ سو آپ نے دعوت قبول فرمائی اس دن اس کی دعوت کھائی۔

(سیرت سید احمد شہید، حصّہ اوّل ص ۲۱۹،۲۰)

حاشیے میں ندوی صاحب نے لکھا ہے کہ اس انگریزنہ کی ہندوستانی بی بی کی دعوت اس لیے قبول نہیں کی تھی کہ وہ انگریز کے پاس تھی یہ تعلق ناجائز تھا اور اس سلسلے کا سب مال حرام اور ناجائز تھا (صنہ ۲۲) اب اس سوال کو تو علمائے دین ہی حل کر سکتے ہیں کہ ان انگریز غاصبوں کا مال کھانے کا کیا جواز تھا جنھوں نے اسلامیانِ ہند سے مختلف حربوں کے ذریعے حکومت چھین لی تھی، اور مختلف غیر تمند طبقے ان کے اقتدار سے بیزار تھے اور یہ بات بھی علمائے کرام ہی بتا سکتے ہیں کہ جو ہندوستانی بی بی کسی انگریزنہ کے پاس ناجائز طور سے رہتی تھی اس کا کھانا ناجائز ہو تو جو انگریز کسی ہندوستانی عورت کو "مدخولۂ گورنمنٹ" کیے ہوئے ہو، اس کے کھانے کے بارے میں کیا حکم ہے، پھر یہ بات بھی واضح نہیں ہے کہ اس کھلانے کے عمل میں اس ہندوستانی بی بی کا عمل دخل کس طرح ختم ہوا تھا۔

بہر حال سے انھوں نے داشتہ کا کھانا قبول نہیں کیا، زناکار انگریزنہ کا کھانا قبول فرمایا آخر یہ بھی تو دیکھنا ضروری ہے کہ کیا کھا رہے ہیں، کوئی غلط چیز تو نہیں کھا گئے۔

حریفِ صافی و دُردی نہ ای، خطا اینجاست
تمیزِ ناخوش و خوش می کنی، بلا اینجاست

مگر میں تو اس مسئلے میں اُلجھا ہوا ہوں کہ سیّد احمد صاحب سفر کے عالم میں تھے، نئی جگہ پہنچے تھے ایک ہندوستانی بی بی آئیں تو یہ بات انھوں نے کیسے جان لی کہ وہ خاتون کون ہے اور کس انگریز کی داشتہ ہے اور انھیں انگریزنہ کی دعوت قبول کرنا ہے، خاتون کی نہیں، کہیں الہام کے بعد یہ صورت اپنے "عالم الغیب" ہونے کی تو نہیں؟

اب ایک اور مسئلہ بھی توجّہ طلب ہے کہ انگریزوں کے یہ مخالف "فوج اکٹھی کرتے رہے۔ لوگوں سے ٹیکس وصول کرتے رہے، فوج لے کر اسلام کے تحفّظ کی جنگ لڑنے سکھوں اور سرحدی مسلمانوں کے علاقے کی طرف چل پڑے، طویل سفر ایک طویل مدّت میں انہوں نے طے کیا ــــ انگریز ان تمام معاملات میں کبھی ان سے نہیں اُلجھے، انھوں نے یہ بھی نہیں پوچھا کہ

فوج کو لے کر کدھر جا رہے ہو، وہ راستے میں ان کے کام و دہن کی تواضع میں بھی مصروف رہے اور انتہا یہ ہے کہ جب یہ لوگ سرحدی علاقے میں پہنچ گئے، تو ان کی کچھ ہنڈیاں جو انگریزی علاقے میں تھیں، ان کی رقوم وصول کر کے انگریزوں نے انھیں سرحد بھجوائیں ـــــ انگریز اپنے دشمن کے ساتھ اتنا محبت کا سلوک کرے، تاریخ میں پہلے تو یہ بات کبھی سامنے نہیں آئی لیکن یہ "تاریخ" تو ہماری اپنی ہے، "ہم" جیسے چاہیں گے، بنائیں گے۔

"سید صاحب جہاد میں مصروف تھے اس وقت ایک ہنڈی سات ہزار روپے کی جو بذریعہ ساہوکاران دہلی مرسلہ محمد اسحاق صاحب بنام سید صاحب روانہ ہوئی تھی، ملک پنجاب میں وصول نہ ہونے پر اس سات ہزار کی واپسی کا دعویٰ عدالت دیوانی میں دائر ہو کر ڈگری ہوا اور پھر بنگام اپیل عدالت عالیہ دیوان ہائیکورٹ آگرہ میں بھی بحکم ڈگری بحکم مدعی بحال رہا۔"

(تواریخ عجیبہ از جعفر تھانیسری ۔ صـ ۸۹)

تھانیسری صاحب نے تو مشتے نمونہ از خروارے ایک ہنڈی کی ادائی کا ذکر کیا ہے، خود غلام رسول مہر نے اس سلسلے کو بہت طویل قرار دیا ہے، یہ ہنڈی ہی کا ذکر نہیں، ہنڈیوں کی بات ہے۔

"سید احمد شہید کے پاس ہندوستان سے جو ہنڈیاں آتی تھیں، ان میں اشرفیوں کا بھی ذکر ہے اور روپوں کا بھی"۔

افادات مہر از ڈاکٹر شیر بہادر خان پنی

(مکتوب مرقومہ ۔ ۱۸ جنوری ۱۹۶۲ء صـ ۹۵)

انگریز کے جاسوس

لوگ اکثر اپنے چہروں پر چڑھا لیتے ہیں خول
تو جسے سونا سمجھتا ہے کہیں پیتل نہ ہو

اِن سے تمام حالات و واقعات کی بنا پر، جو اظہر من الشمس ہیں اور جن کو چھپانے کی کوشش کے باوجود "قلمکاران عصرِ حاضر" اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہو سکے، اگر سرحدی مسلمانوں نے سید احمد اور اسمٰعیل دہلوی صاحبان اور ان کے ہمراہیوں کو انگریز کا جاسوس سمجھا تو ظاہر ہے کہ غلط نہیں سمجھا، کوئی ایک بات بھی تو اس حقیقت کی تردید نہیں کرتی۔

"جب حضرت شہید بعزم جہاد صوبہ سندھ اور سرحد کے علاقے میں داخل ہوئے (جو اس وقت انگریزی عملداری میں نہ تھے) تو ان کے متعلق عام طور سے یہ شبہ کیا گیا کہ یہ انگریزوں کے جاسوس ہیں اور یہ شبہ اس بنا پر کیا گیا کہ حضرت شہید کے تعلقات انگریزوں سے نہایت درجہ خوشگوار تھے۔"

(حاشیہ مقالاتِ سرسید، حصّہ شانزدہم،
از محمد اسمٰعیل پانی پتی ص ۲۵۱)

خود غلام رسول مہر کو یہ ماننا پڑا ہے کہ سرحد کے علماء نے سید صاحب کو انگریزوں کا جاسوس قرار دیتے ہوئے فتویٰ دیا کہ

"وہ ہمارے اور تمہارے مذہب کے مخالف ہیں، ایک نیا دین انھوں نے نکالا ہے، کسی ولی یا بزرگ کو نہیں مانتے، سب کو بُرا کہتے ہیں، انگریزوں نے انھیں

تمھارے مُلک کا حال معلوم کرنے کی غرض سے جاسُوس بنا کر بھیجا ہے، اِن کی باتوں میں نہ آنا، عجب نہیں تمھارا مُلک چھنوا دیں"۔

(سیّد احمد شہید، حصّہ دوم از غلام رسُول مہر ص۲۸)

"کار دہی جوان شاہ ..... سیّد صاحب سے ملاقات کے لیے آئے اور ایک بڑا بھینسا بطور نذر پیش کیا۔ انھی سے معلوم ہُوا کہ لوگ عام طور پر سیّد صاحب کو انگریزوں کا جاسُوس سمجھتے ہیں، اسی لیے بدکتے ہیں"۔

(سیّد احمد شہید از غلام رسُول مہر۔ ص۳۹۷)

.-.-.-.-.-.-.-.✱-.-.-.-.-.-.-.-.

انگریزوں کے خلاف

جہاد کے بارے میں

وہابیوں کا موقف

سوچو تو سلوٹوں سے بھری ہے تمام روح
دیکھو تو اک شکن بھی نہیں ہے لباس میں

وہابیوں کے قائدِ عظیم سید احمد بریلوی اور ان کے خلیفہ بمنزلہ حضرت عمر العیاذ باللہ مولوی محمد اسماعیل دہلوی کی گفتار و کردار سے انگریز دوستی ٹپکتی رہی، انھوں نے انگریز کا فرماں بردار رعایا ہونے کا فخریہ انداز میں اعلان کیا، انگریز کے مقاصدِ حکمرانی کے لیے جہاد کیا تو کوئی وجہ نہیں کہ ان کے پیرو انھی کے نقوشِ قدم کو مشعلِ راہ نہ بناتے "جنگِ آزادی کے مخالف کون" میں آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ جنگِ آزادی میں وہابیوں کے مخالفوں نے حصہ لیا اور یہ لوگ سرٹیفکیٹوں اور نقد انعامات کے پیچھے پڑے رہے۔ پھر یہ کیوں نہ ہوتا کہ وہابی انگریز کی وفاداری پر افتخار کا اظہار کریں۔ اور اس کے خلاف جہاد کو خلافِ اسلام قرار دیں۔

فریب دینے کی توفیق ہے تو دے دیجے
کہ زہر جان کے پینا مرا شعار نہیں

"مولوی محبوب علی دہلوی نے زمانۂ غدر کی لڑائی کی نسبت جبس میں بخت خاں باغی نے ان کو شریک کرنا چاہا تھا، جہاد ہونے کا انکار کیا اور مولوی محمد حسین لاہوری بھی اب تک بذریعہ پرچہ اشاعۃ السنۃ جہاد کا نسبت گورنمنٹ ہند کے انکار کرتے ہیں۔"

(سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور۔ ۱۰ نومبر ۱۸۷۶ء)

ملاحظہ فرمایئے، نواب محمد صدیق حسن خان برٹش گورنمنٹ کی کاسہ لیسی کو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم قرار دیتے ہیں اور انگریز کے خلاف جہاد میں مصروف علما، خواص اور عوام کو فسادی اور عاقبت نا اندیش کہتے ہیں کوئی ان سے پوچھے کہ حضرت! آپ کو انگریز کی نمک حلالی کرنی ہے تو کیجیے، حضور سرورِ کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ کا ارشاد آپ نے انگریزوں کی حمایت میں کہاں سے نکال لیا؟

"پس فکر کرنا ان لوگوں کا جو اپنے حکم مذہبی سے جاہل ہیں اس امر میں کہ حکومت برٹش ہٹ جاوے اور یہ امن و اماں جو آج حاصل ہے، فساد کے پردہ میں جہاد کا نام لے کر اٹھا دیا جائے، سخت نادانی و بے وقوفی کی بات ہے، بھلا ان عاقبت نا اندیشوں کا چاہا ہوگا۔ یا اس پیغمبرِ صادق کا فرمایا ہوا، جس کا کہا ہوا آج ہم آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اور اس کے خلاف نہیں ہو سکتا۔"

ترجمانِ وہابیہ از نواب سید محمد صدیق حسن خان
مطبوعہ ۱۳۱۲ھ ص۷

کاش! کے "وہابیت خواہوں" سے پوچھیے کہ کیسا امن، کونسی آسائش اور کہاں کی آزادگی"۔ آپ انگریزوں کے زمانۂ اقتدار کی ثابت کر سکتے ہیں مگر نہیں، اگر یہ لندن میں ہوں تو پھر یہی فتویٰ دیں کہ سرکار کی خوشنودی حلِ مشکلات کا باعث ہوتی ہے۔

"جو امن و آسائش و آزادگی اس حکومت انگریزی میں تمام خلق کو نصیب ہوئی ہے، کسی حکومت میں نہ تھی"۔ (ترجمانِ وہابیہ ص۹)

مولوی محمد حسین بٹالوی وہابیوں کے "مایۂ ناز" عالم ہیں۔ انھوں نے اسلاف کے "جہاد" کی قلعی یوں کھولی ہے کہ اپنی کتاب کے سرورق پہ یہ لکھا ہے۔

"پنجاب کے نامور ہر دلعزیز لیفٹیننٹ گورنر سر چارلس ایچیسن صاحب بہادر کے سی ایس آئی وغیرہ وغیرہ نے اپنے نام نامی سے اس کا ڈیڈیکیٹ ہونا منظور

فرمایا' اور اس میں مسئلہ جہاد کی ایسی تحقیق و شرح ہوئی ہے' جس کی نظیر اس وقت تک کسی کتاب میں جو اس باب میں تالیف و مطبوع ہو چکی ہیں' پائی نہیں گئی"۔

التماس کے عنوان سے لکھا ہے۔

"ہم ان ناموں کو بشمول رسالہ اقتصاد یا بذریعہ اشاعۃ السنۃ گورنمنٹ میں پیش کریں گے۔ اور سلطنتِ انگلشیہ کی نسبت ان کی وفاداری و اطاعت شعاری کو خوب شہرت دیں گے"۔

(الاقتصاد فی مسائل الجہاد۔ حصہ اوّل)

از ابو سعید محمد حسین لاہوری' مطبوعہ وکٹوریہ پریس

"بعض سرحدی نادان ناواقف از احکامِ اسلام و قرآن تن تنہا ایک سیر آٹا یا ستو باندھ کر غازی یا شہید ہونے کی نیت سے چل پڑتے ہیں اور کسی کیمپ یا چھاؤنی انگریزی میں پہنچ کر کسی افسر یا فوجی ملازم کو مار ڈالتے ہیں' پھر اس کی سزا میں پھانسی پاتے ہیں' یہ اور بھی فساد و بغاوت اور عناد ہے۔ ایسی صورتوں سے اپنی جان کو ہلاک کرنا حرام موت مرنا ہے۔ اور بہشت کی خوشیوں سے محروم رہنا اور ایسے فسادوں کو جہاد سمجھنا اور اس میں شہادت کی ہوس کرنا سراسر جہالت و حماقت ہے"۔

(الاقتصاد فی مسائل الجہاد۔ ص۱)

غلام رسول مہرؔ ان محمد حسین بٹالوی کے متعلق یہ ماننے پر مجبور ہیں۔

"مولانا محمد حسین بٹالوی نے یقیناً جہاد کے خلاف لکھا تھا۔ یہ سرسیّد کا اثر ہو یا مولانا کی رائے بجائے خود یہی ہو......"

(افاداتِ مہر۔ ص۲۳۱)

لیکن حقیقت یہ ہے کہ "انھوں نے بھی انگریزوں سے جہاد کے خلاف لکھا

جو اس طبقے کے لیے نئی بات نہیں' اصل میں جب آپ انگریزوں کی وفاداری کے میدان میں کھیلنے کے دھنی ہیں تو پھر آپ ایسے معاملات میں خاموشی کو شعار کیوں نہیں بناتے کچھ کہنے کی کوشش کرتے ہیں تو صورت عجیب ہو جاتی ہے۔'

تم چُپ رہو تو اس میں تمھارا بھرم بھی ہے
یُوں سب کے سامنے تو نہ ہکلاؤ دوستو!

اِس کے بعد غلام رسُول مہر نے ایک اور اہلحدیث رہنما ثناء اللہ امرتسری کا ذکر کیا ہے۔ کہ انھوں نے ۱۹۲۲ء میں لاہور میں ہونے والی اہل حدیث کانفرنس میں سیکرٹری کی حیثیت سے اعراض و مقاصد کی پہلی شق پیش کی تھی "حکومت برطانیہ سے وفاداری" اِسے کہتے ہیں۔" جادُو وہ جو سر چڑھ کر بولے"۔

.~.~.~.~.~.~.~.~.~.~.~.

انگریزوں کے ایما پر سکھوں سے لڑائی

جلوۂ کاروانِ مانیست بہ نالۂ جرس
عشقِ تو راہ می بُرد، شوقِ تو زاد می دہد

جب "تحریکِ مجاہدین" کے قائدین نے اپنی سرگرمیوں کا رُخ تصنیف و تالیف سے جہاد کی طرف موڑا، اس وقت سے تحریک کے قائدین خود اور ان کے ساتھی، ان کے پیرو، سب یہی کہتے رہے کہ اُن کی لڑائی "سکھوں اور منافق مسلمانوں" کے ساتھ ہے۔ انگریز کے ساتھ نہیں، اب ہمارے دوستوں نے اس لڑائی کا رُخ انگریزوں کی طرف موڑ دینے کی کوشش کی ہے، میری یہ بات بھی گزشتہ گزارشات کی طرح بے دلیل نہیں ہے، "تحقیقِ جدید" کے سب سے بڑے داعی غلام رسُول مہر بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ گزشتہ سوا سو سال سے یہ سمجھا اور کہا جاتا رہا ہے کہ "ان مجاہدوں کی لڑائی سکھوں سے تھی، لیکن اب وہ یہ کہتے ہیں کہ نہیں، انگریزوں کے خلاف تھی"، یاد رہے کہ سوا سو سال کا مطلب سوا سو سال ہی ہے یعنی "تحریک" کے زمانے سے لے کر اب تک سب لوگوں کو یہی علم تھا، انکشاف اب ہوا ہے، سوچنا چاہیے کہ یہ انکشاف مہر صاحب پہ "کشف" کی صُورت میں تو نہیں ہوا (ان کے ممدوح سید احمد صاحب کو نعوذ باللہ الہام ہوتا تھا) کہ یہ لڑائی انگریزوں کے ایما پر سکھوں کے خلاف نہیں تھی بلکہ خود انگریزوں کے خلاف تھی۔

بر چہرۂ حقیقت اگر ماند پردہ
جرمِ نگاہِ دیدۂ صُورت پرستِ ماست

آیا وہ صرف سکھوں سے لڑنا چاہتے تھے جیسا کہ سوا سو سال سے سمجھا یا سمجھایا

جارہا ہے"۔ (سید احمد شہید از غلام رسول مہر ص ۲۵۰)

شیخ محمد اکرام نے موج کوثر مطبوعہ فیروز سنز لاہور کے صفحہ ۱۶ پر سوانح احمدی مصنفہ مولوی جعفر تھانیسری، تاریخ پنجاب از ایس ایم لطیف اور = The Punjab Hundred Years ago از Garrett کے حوالے سے بتایا ہے۔ کہ اثنائے راہ ملک پنجاب سید احمد بریلوی نے سکھوں کے مظالم دیکھ کر فرمایا کہ میں عنقریب سکھوں سے جہاد کروں گا۔

مشہور مستشرق گارسن دتاسی سید احمد بریلوی کے متعلق کہتا ہے:۔

"وہ بیس سال کا عرصہ ہوا کہ سکھوں کے خلاف جہاد کرتا ہوا مارا گیا۔"

(طبقات الشعرائے ہند)

(تلخیص "تاریخ ادب اردو" از گارسن دتاسی ص ۲۹۵)

(مطبوعہ ۱۸۴۸ء)

"سید احمد شہید بریلوی نے سکھوں کے خلاف جو جہاد کیا تھا شاہ اسمٰعیل اس میں ان کے دست راست رہے"۔

(اردو انسائیکلوپیڈیا، فیروز سنز ص ۹۸)

دوسرے مقام پر ہے۔

"سید احمد شہید بریلوی

لوگوں کو توحید اور ترک بدعات کی تلقین کی ..... انہی دنوں پنجاب میں سکھوں کے ظلم وستم کی روداد یں سننے میں آئیں تو آپ نے سکھوں کے خلاف جہاد کا ارادہ کیا"۔

(اردو انسائیکلوپیڈیا ص ۸۶۶)

"ہزار ہا مومن حضرت سید احمد شہید بریلوی کی ندائے جہاد پر لبیک کہتے

ہوگئے اُن کے پرچم تلے اکٹھے ہو گئے اور ۲۱ر دسمبر ۱۸۲۶ء کو ظالم سکھوں کے خلاف
جہاد کا آغاز کر دیا، یہ جہاد پانچ سال سے زیادہ تک جاری رہا۔۔۔۔اس کے
بعد مجاہدین میں اندرونی اختلافات رُونما ہونے لگے۔"

(ماہنامہ ماہِ نَو کراچی ۔ تحریکِ پاکستان نمبر، ص ۲۶، ۲۵)

مولوی شاہ محمد اسمٰعیل نے اپنے غازیوں کی معیت میں پشاور کے نزدیک ہشت نگر
میں کچھ عرصہ قیام رکھا اور پھر پرچم محمدیہ اُٹھا کر سکھوں کے خلاف اعلانِ جنگ کر
دیا۔" (انیسویں صدی کا مجاہد مُصلح ۔ از ڈاکٹر محمد باقر)

(کتاب "شاہ اسمٰعیل شہید" مرتبہ عبداللہ بٹ ص ۴۶)

الیگزینڈر گارڈنر لکھتا ہے۔

"باجوڑ میں میری آمد سے کوئی چار سال پہلے انھوں نے (سیّد احمد نے) پشاور
اور اٹک کے درمیان یوسف زئی کے پہاڑوں پر پیغمبر کا سبز پرچم لہرایا اور سکھوں
کے خلاف جہاد کا اعلان کر دیا۔"

(انیسویں صدی کا مجاہد مصلح ۔۔۔۔ (ایضاً) ص ۴۸)

"تحریک کے شیدائیوں نے جس وقت سکھوں کے خلاف نعرہ جہاد بلند کر دیا وہ
عین حالات کا تقاضا تھا، تحریک میں اتنی فوجی قوت نہیں تھی کہ وہ انگریزوں کے خلاف
محاذ قائم کرتے"۔ چند تاریخی غلطیاں از ابو المعانی

کتاب "شاہ اسمٰعیل شہید" ص ۲۲۲

اُن کا مطلب یہ ہے کہ اگر غاصب حکمرانوں کے خلاف لڑنے کی طاقت نہ ہو تو اُن غاصب
حکمرانوں کے مخالفوں سے ٹکرا جانا چاہیئے، اگر ہندوستان بھر پر قبضے کی راہ میں انگریزوں کی
رکاوٹ (سکھ) دُور نہ ہو تو ان غیرت مند اور جیالے سرحدی مسلمانوں کے خلاف "جہاد" کر دینا
چاہیے جو ہر بیرونی طاقت کو ہمیشہ ناکوں چنے چبواتے رہے ہیں، یہ کس قسم کا جہاد ہے؟

مری پائمالیوں کو یہ وفا کا حیل غلط ہے
کوئی اور آڑ لے کر، کوئی اور چال چل کے

"نجد میں امام محمد بن عبدالوہاب کی کامیابی نے شاہ اسمٰعیل کی ہمت اور جرأت اور بھی بڑھادی، میدانِ جنگ منتخب ہوا، قرعۂ فال بالاکوٹ کے نام نکلا۔ ہندوستان بھر کے مجاہدوں جمع ہونے لگے۔ اپنے آبا و اجداد کے خیالات کے مطابق شاہ اسمٰعیل ہندوستان میں پاکستان یعنی خلافت اسلامیہ کی بنیاد رکھنا چاہتے تھے"

مضمون "تجدید و احیائے ملت" از پروفیسر عبدالقیوم
(کتاب "شاہ اسمٰعیل شہید" صہ ۱۴۲)

یہ کیسی خلافتِ اسلامیہ ہے۔ جس کی بنیاد اسلام کے ازلی دشمن نصاریٰ کی امداد سے رکھی جاتی ہے جو نصاریٰ کے مخالفین سے جنگ کرنا سکھاتی ہے جو مسلمانوں کو فرقوں میں تقسیم کرتی ہے، سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کو دلوں سے مٹانے کے لیے کوشاں ہے۔

چہ قیامت است جاناں کہ بعاشقاں نمودی
رُخ ہمچو ماہِ تاباں، دل ہم چو سنگ خارا

"انگریزی ڈپلومیسی کا یہ عجیب و غریب کرشمہ تھا کہ حضرت شہید کے لیے سکھوں پر حملہ کرنے کی سہولتیں پیدا کیں اور پھر سکھ حکومت انگریزوں سے معاہدہ کے باعث مجبور تھی کہ حضرت شہید کو راستہ نہ دیتی اور جب حضرت شہید کی جمعیت ایک لاکھ سے متجاوز ہونے لگی تو آپ کی جمعیت میں عقاید کے متعلق اختلاف پیدا ہوا یا کروا دیا گیا۔" (اسلامی حریت کا علمبردار از محمد میاں)

کتاب "شاہ اسمٰعیل شہید" صہ ۱۹۴

عقائد کے متعلق اختلاف تو اسمٰعیل دہلوی صاحب کی ابتداء تھی۔ اس "تحریک" کی اساس ہی مسلمانوں

کی دین اور پیغمبرِ دین سے محبت کو کم کرنے پر تھی چنانچہ اسمٰعیل صاحب کی تقویۃ الایمان" کے رد میں بے شمار کتابیں فوراً لکھی گئیں۔

پھر یہ حقیقت بھی ایک بہت بڑا سوال ہے کہ ایک لاکھ کی جمعیت انگریز کی نگاہوں سے پوشیدہ کیسے رہی اور وہ اس سے صرفِ نظر کس مقصد کی خاطر کرتے رہے۔؟

محمد میاں مصنف "علمائے ہند کا شاندار ماضی" اپنے اسی مضمون میں لکھتے ہیں۔

"الحاصل انگریزی حکومت نے ہندوستان کے تمام صوبوں پر مضبوطی سے قبضہ کر لیا، صرف پنجاب، کشمیر، صوبہ سرحد اور ملتان اس کے اقتدار سے خالی تھا مگر اس پر سکھوں کے قبضے نے شمال مغربی ہندوستان اور اس کے آس پاس کے مسلمانوں کی راہ بند کر دی تھی"۔

(شاہ اسمٰعیل شہید۔ ص ۱۰۵)

اور "تحریکِ مجاہدین" کا میدانِ کارزار پنجاب اور سرحد بنے، جو انگریزوں کے مکمل ہندوستان پر کنٹرول کے راستے میں رکاوٹ تھے اور "مجاہدوں" کے کئی سیرت نگاروں کے بقول وہ کشمیر جانے کا ارادہ بھی رکھتے (تاکہ انگریزوں کا کوئی مخالف ایسا نہ رہ جائے جس سے یہ "جہاد" نہ کر لیں۔

"مسلمانوں کی مذہبی روایات خطرے میں تھیں شاہ شہید اور اُن کی جماعت اس بارود میں چنگاری پھینکنے کا انتظار کر رہی تھی انھوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور رنجیت سنگھ کے خلاف جہاد کا اعلان کر دیا"۔

"اسلامی انقلاب کا علمبردار از سعید احمد ایڈیٹر "برہان" دہلی

(کتاب "شاہ اسمٰعیل شہید" ص ۱۲۳)

(کبھی کسی "موقع" سے فائدہ اٹھا کر انگریزوں کے خلاف بھی تو جہاد کر لیا ہوتا)

"مکاتیبِ سید احمد" کی اشاعت کا مقصد محمد جعفر تھانیسری مؤلف "مکتوباتِ سید احمد شہید" یوں بیان کرتے ہیں:۔

"سیّد صاحب کا جہاد صرف اس وقت کے ان ظالم سکھوں سے تھا جنھوں نے اس وقت پنجاب کے مسلمانوں پر قیامت برپا کر رکھی تھی نہ کہ سرکارِ انگریزی سے"

(مکتوبات سید احمد شہید ۔ ص ۳۱۰)

مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی

"(اسماعیل دہلوی نے) اس عزم کا اظہار کیا کہ سکھوں کے خلاف، جو مسلمانوں کو پنجاب اور سرحد میں نیست و نابود کرنے پر تلے ہوئے تھے، جہاد کی کٹھن مہم میں شاہ صاحب کے شریک رہیں گے ۱۸۲۵ء میں سید صاحب اور شاہ صاحب اس فیصلہ کُن جہاد کی راہ پر چل پڑے ان کی معیت میں سات ہزار سرفروش مسلمان تھے ...... ایسے سخت اور قوی دشمن کے مقابلہ پر، جیسے سکھ تھے"۔

"مجدّد الف ثانی سے سیّد احمد شہید تک" از محمّد علی عثمانی

(ماہنامہ ماہِ نو کراچی ۔ خاص نمبر بیادگار تحریکِ آزادی ص ۱۴)

اس میں ایک وضاحت طلب بات یہ ہے کہ یہ جہاد سکھوں کے خلاف تھا جو مسلمانوں کو نیست و نابود کرنا چاہتے تھے تو سرحد کے مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کی خواہش میں اپنے "جہاد" کا رُخ انہوں نے ان کے خلاف کیوں کرنا چاہا دوسرا سوال وہی ہے کہ آغاز میں جو سات ہزار فوج تھی اس سے انگریزوں نے تعرض کیوں نہیں کیا ۔ کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ حکومتیں اپنے مخالفوں کو مسلّح فوج بنانے دیں، انھیں سہولتیں فراہم کریں ـــــ خصوصاً انیسویں صدی کے آغاز میں انگریز اس فوج سے صرفِ نظر کس طرح کر سکتے تھے، (اگر یہ خود ان کے ایما پہ نہ بنائی گئی ہوتی)

تو لطف تماشا لیتا جا، مت ڈھونڈ سُراغِ اصلیت
تصنیف کے صُور تخانے میں کچھ وہم ہے کچھ سچّائی ہے

سیّد صاحب خود وضاحت کرتے ہیں کہ ان کی لڑائی سکھوں کے خلاف ہے مگر آج کے محققین سے تو یہ بھی بعید نہیں کہ وہ اسے سید صاحب کا خط ہی تسلیم کرنے سے انکار

کر دیں یا یہ مؤقف اختیار کرلیں کہ انھوں نے انگریز کے ڈر سے مصلحتاً جھوٹ بولا تھا یا یہ کہ ان الفاظ میں "بین السطور" یہی کہا گیا ہے کہ وہ انگریز کے مخالف تھے اور اسی سے لڑنا چاہتے تھے۔

"آپ کے ذہن و دماغ پر اس خاکسار کا معاملہ آفتاب نصف النہار کی طرح ظاہر و باہر ہے کہ میں قوم سکھ جیسے دشمنوں کے ساتھ جہاد کے لیے مامور ہوں اور فتح و نصرت کا مجھ سے وعدہ کیا گیا ہے"۔

مکتوب ۵۴ بنام فیض اللہ خاں مہمند مشیر و وزیر والی پشاور

(مکتوب سید احمد شہید ص ۲۷۳)

وعدہ کس نے کیا تھا جو پورا نہیں ہوا خدا کا وعدہ تو نہیں ہو سکتا کہ اس کا وعدہ جھوٹا نہیں ہو سکتا اور یہاں "فتح و نصرت" تو دور کی بات ہے، سید صاحب اور اسماعیل صاحب کی جانیں بھی گئیں۔ کہیں یہ وعدہ انگریز حکّام نے تو نہیں کیا تھا، جو ظاہر ہے کہ پورا نہیں ہوا مگر انگریز کی حکومت تو مضبوط اور مستحکم ہو گئی۔

میں اپنی بے خبری سے شکیبؔ واقف ہوں
بتاؤ پیچ ہیں کتنے تمھاری پگڑی میں

"امیر المؤمنین" صاحب کا اعلان عام ملاحظہ ہو اس کے بعد کیا گنجائش رہ جاتی ہے کہ ان پر انگریز دشمنی کی تہمت لگائی جائے۔

اعلام از جانب امیر المؤمنین سید احمد صاحب میں ہے۔

"نہ تو ہم کو مسلمان امراء میں سے کسی کے ساتھ کوئی تنازعہ ہے اور نہ کسی مسلمان رئیس سے مخالفت ہے۔ ہمارا مقابلہ کفار لعینوں سے ہے نہ مدعیانِ اسلام سے، بلکہ صرف لانبے بال والے سکھوں سے ہماری جنگ ہے کلمہ گویوں اور اسلام کے طالبوں سے نہیں ہے اور نہ سرکار انگریزی سے ہم کو کوئی مخاصمت

ہے اور نہ کوئی جھگڑا ہے کیونکہ ہم تو اس کی رعایا ہیں بلکہ ہم کو تو اس کی حمایت میں رعایا کے مظالم کا استیصال کرنا ہے۔

مکتوبات سید احمد شہید - مترجم سخاوت مرزا ص ۳۲
مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی

دیکھ لیجیے، غلام رسول مہر اور دوسرے متجددینِ تاریخ کے "امیر المومنین" وہ ہوتے ہیں جو انگریز کی وفادار رعایا ہونے پر فخر کریں اس کے مخالفوں سے لڑنے کو اپنی زندگی کا مقصد جانیں۔

"ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک" کا حال دیکھیں۔

"حج کے بعد پھر وعظ و تبلیغ کا سلسلہ شروع ہو گیا مگر اب کے اصل زور جہاد و ہجرت پر تھا...... اس وقت پنجاب میں سکھ شاہی کا زور تھا"۔

("ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک" ص ۳۲)

اور یہی زور ختم کرنا مقصود تھا اسی مقصد کے حصول کے لیے آپ کو "مامور" کیا گیا تھا۔

"سید صاحب کی دعوت کا اہم عنصر جہاد فی سبیل اللہ ہے اور یہی چیز اس تحریکِ تجدید و جہاد کو نجد کی دعوتِ توحید سے خاص طور پر ممتاز کرتی ہے سید صاحب کا کوئی وعظ یا مکتوب ترغیبِ جہاد سے خالی نہیں ہوتا انھوں نے صرف "وعظ" پر اکتفا نہیں کیا اور اپنے مریدوں کے ساتھ گھر بار چھوڑ کر سرحد تشریف لے گئے"۔

ایضاً - ص ۴۰، ۳۹

"پنجاب میں سکھوں کے ساتھ آپ نے کئی جہاد کیے مگر بعض لوگوں کی بے وفائی کی وجہ سے آپ اپنے پیر سید احمد شہید کے ہمراہ لڑتے ہوئے

۱۲۴۶ھ میں بمقام بالاکوٹ زخم تفنگ سے شہید ہوئے۔"

(تاریخ اہلحدیث - از محمد ابراہیم میر سیالکوٹی - ص ۴۱۴)

یہ ہا بے وفا" وہی لوگ ہیں جن کو سید احمد بریلوی اور اسمٰعیل دہلوی ساری عمر منافق مشرک اور کافر قرار دیتے رہے جن کے عقائد سے "توحید" کو خطرہ لاحق رہا جو انگریز جیسے "عادل" حکمرانوں سے ساری عمر لڑتے رہے۔ (اللہ اکبر!

اگر کوئی شخص یہ سوچتا ہو کہ شاید ان مجاہدین کی تیاریوں، ان کی فوج، ان کے نظام حکومت کا انگریز حکام کو علم نہیں تھا تو وہ اپنی غلط فہمی رفع کرلے۔ انگریز حکام کا کہنا تھا کہ ہم نے ان پر اپنے جاسوس چھوڑ رکھے ہیں —— ایسے میں جب انگریز ان مجاہدوں کی نقل وحمل سے پوری طرح واقف تھے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ یہ لوگ انگریزوں ہی کے ایماء پر سکھوں اور مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے لیے جا رہے تھے ورنہ حکام کسی طرح اس کی اجازت نہ دیتے اور پھر ان "مجاہدوں" کو انگریزوں نے جتنی سہولتیں راستے میں اور سرحد پہنچ کر بھی دی ہیں ان کو بھی ذہن میں رکھیں تو ہر بات واضح ہو جاتی ہے۔

"کچھ شیعہ صاحبان نے ایک فتنہ کھڑا کر دیا جس کی تفصیل یہ ہے کہ چند سربرآوردہ شیعہ پٹنہ کے انگریز افسر کے پاس گئے اور شکایت کی کہ سید صاحب جہاد کی نیت سے یہ دورہ کر رہے ہیں انگریز افسر نے جواب دیا' یہ پادری صاحب جن کے متعلق یہ شیعہ حضرات الزام لگاتے ہیں بہت دیندار حقانی شخص ہیں کیونکہ جاسوس ان کے حال کی تلاش میں رہتے ہیں ہم سے کسی نے یہ بات اب تک نہیں کی ہے۔"

(وقائع احمدی قلمی نسخہ ص ۷۶۹)

بحوالہ علماء ہند کا شاندار ماضی، جلد ۳ ص ۱۴

اسی واقعے کو ابوالحسن علی ندوی ان الفاظ میں رقم کرتے ہیں ۔

"عظیم آباد پٹنے کے بعض شیعہ صاحبان نے انگریز حاکم سے جاکر کہا کہ یہ سید صاحب جو یہاں اتنے آدمیوں کے ساتھ آئے ہیں، ہم نے سنا ہے کہ ان کی نیت جہاد کی ہے اور وہ کہتے ہیں کہ ہم انگریزوں سے جہاد کریں گے حاکم نے اس کو تعصب اور حسد پر محمول کیا اور ان کو تنبیہ کی کہ آئندہ ایسی مفسدانہ بات نہ کہی جائے ۔" (سیرت سید احمد شہید ۔حصہ اول ص ۲۴۲)

یہ خود انگریزوں کی فرماں بردار رعایا ہونے کا اعلان کرتے ہیں، انگریز ان کے خلاف کسی ایسی تہمت کو برداشت نہیں کرتا، انگریز کے جاسوس ان کی ٹوہ میں رہتے تھے کہ یہ واقعی فرمانبردار ہیں یا اس فوج کو ہمارے خلاف کبھی استعمال کرنے کی خواہش تو ان کے سر میں پیدا نہیں ہوتی اور ان جاسوسوں کی رپورٹوں سے اتنے مطمئن ہیں کہ تعصب حسد اور مفسدانہ باتوں پر ان کے مخالفوں کو تنبیہ کرتے ہیں ـــــ ایسے میں آج کے لوگ ان "مجاہدین" کے خلاف یہ مفسدانہ بات کس طرح کرتے ہیں ۔

سید احمد بریلوی کے سب سے بڑے سوانح نگار جعفر تھانیسری سکھوں پر جہاد کا وعظ شروع ہونا کے عنوان سے لکھتے ہیں ۔

"اس وقت ہر شہر و قصبہ و گاؤں برٹش انڈیا میں علانیہ سکھوں پر جہاد کرنے کا وعظ ہوتا تھا مگر براہِ دوراندیشی معرفت شیخ غلام علی صاحب رئیس اعظم الہ آباد کے نواب لفٹنٹ گورنر بہادر اضلاع شمالی و مغربی کو بھی اس تیاری جہاد سکھوں کی اطلاع دی گئی جس کے جواب میں صاحب ممدوح نے یہ تحریر فرمایا کہ جب تک انگریزی عملداری میں کسی فتنہ و فساد کا اندیشہ نہ ہو ہم ایسی تیاری کے مانع نہیں ۔" (سوانح احمدی ص ۷۱)

یعنی انگریز افسروں کی تحریری اجازت سے یہ "جہاد" کیا گیا پھر یہ جہاد فی سبیل اللہ

ہوا یا جہاد فی سبیل "انگریزیہ" ؟

جس غلام علی صاحب کا اُوپر کے اقتباس میں ذکر ہُوا ہے ان پر سربراہ مجاہدین" کو کس قدر اعتماد تھا اور وُہ ان کی کتنی خدمت کرتے تھے یہ بھی دیکھیے۔

"یہ شیخ غلام علی وُہ ہیں جنھوں نے پورے بارہ روز تک قافلے کی پُر تکلّف ضیافت کی، بیش قیمت نذریں گزرانی اور بیٹوں، پوتوں اور مستورات اور اپنے عملے اور ملازمین کے ساتھ بیعت ہُوئے۔"

(سیرت سیّد احمد شہید - حصّہ اوّل)
از ابوالحسن علی ندوی - ص ۲۲۲

آپ "نذر و نیاز" کے ان مخالفین کے اس پہلو کی طرف توجہ نہ دیجیے، صرف سیاست کا حال دیکھیے۔

یہ بات صرف تھانیسری صاحب ہی نے نہیں کہی شیخ محمد اکرام نے اپنی تصنیف "موجِ کوثر" کے صفحہ ۱۸ پر یہی واقعہ نقل کیا ہے اور "علمائے ہند کا شاندار ماضی" جلد سوم ص ۶۸ پر یہی واقعہ نقل کرنے کے بعد سیّد محمّد میاں صاحب لکھتے ہیں۔

"بہرحال انگریزوں نے اس وقت سیّد صاحب کے اس علانیہ جہاد اور اس کی تیاری پر کوئی رکاوٹ نہیں کی"۔

سر سیّد احمد خاں بھی انگریزوں کے ساتھ سیّد احمد و اسمٰعیل کے رابطہ اور تعلّق کی بات اسی لئے میں دُہراتے ہیں اور سر سید احمد کی اس بات کو طفیل احمد منگلوری بھی اپنی کتاب "مسلمانوں کا روشن مستقبل" میں نقل کرتے ہیں۔

"اس زمانے میں علی العموم مسلمان لوگ عوام کو سکھّوں پر جہاد کرنے کی ہدایت کرتے تھے ہزاروں مسلّح مسلمان اور بے شمار سامانِ جنگ کا ذخیرہ سکھّوں پر جہاد کرنے کے واسطے جمع ہوگیا تھا جب صاحب کمشنر اور

صاحب مجسٹریٹ کو اس کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے گورنمنٹ کو اطلاع دی، گورنمنٹ نے صاف لکھا کہ تم کو دست اندازی نہ کرنی چاہیے، دہلی کے ایک مہاجن نے جہادیوں کا روپیہ غبن کیا تو ولیم فریزر کمشنر دہلی نے ڈگری دی، جو وصول ہو کر سرحد بھیجی گئی۔"

مضمون "سر سید احمد خاں بجواب ڈاکٹر ہنٹر"

مندرجہ انسٹی ٹیوٹ گزٹ - ۸ر دسمبر ۱۸۷۱ء

بحوالہ "مسلمانوں کا روشن مستقبل" صہ ۱۱۲

حکومت کو معلوم تھا کہ ان لوگوں کو کس خدمت پہ "مامور" کیا گیا ہے اس لیے انھیں کسی تفتیش یا تحقیق کی ضرورت نہیں تھی بس کمشنر اور مجسٹریٹ کو حکم دے دیا گیا کہ سامانِ جنگ اور جہاد کے بارے میں ان "مجاہدوں" کو کھلا چھوڑ دیا جائے۔ اگر غلام رسول مہر حیران ہوں کہ انگریزوں اور مجاہدوں کی ملی بھگت کی خبریں لوگوں تک کیسے پہنچ گئی ہیں یہ تو راز ہائے درونِ خانہ تھے۔

ستر خدا کہ عارف و سالک بہ کس نہ گفت
در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

دراصل ہی وہ اس حقیقت کو پیشِ نظر نہیں رکھ رہے کہ عشق و محبت کی باتیں کرنے والے اس خوش گمانی میں مبتلا ہو سکتے ہیں کہ ہم لوگوں کی نگاہوں سے چھپ کر یہ سب کچھ کر رہے ہیں مگر۔

کھلنا کہیں چھپا بھی ہے چاہت کے پھول کا
لی گھر میں سانس اور گلی تک مہک گئی

آپ کے افعال و اعمال بلکہ حرکات و سکنات آپ کی اس "آلودگی" کی گواہی دیتے ہیں آپ کی آنکھیں اور کبھی کبھی آپ کی زبان بھی اس راز کو طشت از بام کر دیتی ہے

رُسوائی کے ڈر سے کوئی رازِ محبت چھپتا ہے
آہیں روکیں، آنسو روکے، رنگ اگر اُڑ جائے تو

انگریز سرکار اس "تحریک مجاہدین" سے کیا چاہتی تھی (جو انھوں نے بڑی حد تک پورا کر دکھایا) ملاحظہ فرمائیے۔

"اِس سوانح اور نیز مکتوباتِ منسلکہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سیّد صاحب کا سرکار انگریزی سے جہاد کرنے کا ہرگز ارادہ نہیں تھا وہ اس آزاد عملداری کو اپنی ہی عملداری سمجھتے تھے اور اس میں شک نہیں کہ اگر سرکار انگریزی اس وقت سید صاحب کے خلاف ہوتی تو ہندوستان سے سید صاحب کو کچھ بھی مدد نہ پہنچتی مگر سرکار انگریزی اس وقت دل سے چاہتی تھی کہ سکھوں کا زور کم ہو۔"

(سوانح احمدی ۔ ص ۱۳۹)

ایک اور "تحقیق توڑ" اقتباس ملاحظہ فرمائیے، منشی جعفر تھانیسری اور طفیل منگلوری صاحبان انگریزوں اور مجاہدوں کے لازم و ملزوم ہونے کا اعلان کر رہے ہیں۔

"جب تک اس تحریک کا تعلق انگریزی مقبوضات سے صرف اتنا رہا کہ رنگروٹ بھرتی کیے جائیں اور سرمایہ فراہم کیا جائے تو انگریزی حکومت کے ذمہ داروں نے اس کی طرف کوئی التفات نہ کیا بلکہ انگریزوں نے اس کی حمایت کی چنانچہ سیدّ صاحب کے قافلہ کی دعوت کرنے والوں میں جہاں مسلمانوں اور ہندوؤں کے نام ہیں وہاں ایک انگریز کا نام بھی ہے، جس نے پورے قافلہ کے لیے کشتیوں پہ کھانا پہنچایا تھا جب حج کو جاتے ہوئے قافلہ قصبہ ڈلمئو سے الٰہ آباد کی طرف گنگا کے راستے سفر کر رہا تھا، کلکتہ میں مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کے وعظ میں جہاں ہندو مسلمانوں کا اجتماع ہوتا تھا صاحبان انگریز اور ان کی میم صاحبان بھی شریک ہوتی تھیں۔"

(سوانح احمدی ص۹۸)

(بحوالہ علماء ہند کا شاندار ماضی۔ جلد ۲ ص۲۴۱)

اگر جعفر صاحب پسند نہ ہوں تو مولوی عبدالرحیم صادقپوری سے حقیقتِ حال کے متعلق استفسار کر لیجیے:

تمہارے عشق کا چرچا کہاں کہاں نہ ہوا

منافقینِ ناہنجار اور کفار بد کردار نے حسد اور خوف سے حکومت برطانیہ کے عمال کو برانگیختہ کر دیا تاہم بنصرت اللہ العزیز وہ خائب و خاسر رہے سید احمد صاحب کی برابر روش یہ رہی کہ ایک طرف لوگوں کو سکھوں کے مقابل آمادہ جہاد کرتے اور دوسری جانب حکومت برطانیہ کی امن پسندی جتا کر لوگوں کو اس کے مقابلے سے روکتے تھے"

(الدر منثور از مولوی عبدالرحیم صادقپوری ص۱۳۵)

(بحوالہ مقالاتِ سرسید۔ حصہ شانزدہم ص۲۵۲)

اور ایک دفعہ پھر مولوی اسمٰعیل صاحب کی بڑائی کے پرچارک مرزا حیرت کو سُنیے اور سر دُھنیے۔

"ضلع کے حکام چوکنے ہوئے اور انھیں خوف معلوم ہوا کہ کہیں ہماری سلطنت میں رخنہ نہ پڑے ..... اس نظر سے ضلع کے حکام نے حکامِ اعلیٰ کو لکھا۔ وہاں سے صاف جواب آگیا۔ ان سے ہرگز مزاحمت نہ کرو۔ ان مسلمانوں کو ہم سے کوئی لڑائی نہیں ہے۔ یہ سکھوں سے انتقام لینا چاہتے ہیں" .....

(حیاتِ طیبہ ص۵۲۲)

"سیاسی مصلحت کی بنا پر سید صاحب نے یہ اعلان کیا کہ سرکار انگریزی سے ہمارا مقابلہ نہیں اور نہ ہمیں اس سے کچھ مخاصمت ہے۔ ہم صرف سکھوں سے

اپنے بھائیوں کا انتقام لیں گے یہی وجہ تھی کہ حکام انگلشیہ بالکل باخبر نہ ہوئے اور نہ اُن کی تیاری میں مانع آئے۔" (حیاتِ طیبہ ص۲۹)

اِن سے لوگوں نے صرف فوج ہی اکٹھی نہیں کی تھی باقاعدہ ایک حکومت قائم کر رکھی تھی۔

"انھوں نے اپنے جاں نثار مریدوں کی ہمراہی میں ہمارے صوبجات کا دورہ کیا۔ اور ہزاروں کی تعداد میں لوگوں کو مرید بنایا اور ایک باقاعدہ گدی، مذہبی ٹیکس اور ملکی حکومت قائم کر دی۔"

"ہندوستانی مسلمان اور ولیم ہنٹر"

مترجم ڈاکٹر صادق حسین ص۶۸

"جملہ مسلمان جو اس جنگ میں موجود تھے، ان کی جمعیت ایک لاکھ آدمی سے کم نہ تھی۔ ہتھیار اور سپاہی بھی سکھوں کے ہتھیار اور سپاہیوں کے برابر ہی تھے، ان سے بڑے نہ تھے مگر پٹھانوں کی دغابازی نے قوم کا ستیاناس کر دیا۔"

(الحیات بعد الممات ص۲۰۳)

"وہ دہلی سے آہستہ آہستہ کلکتے کی طرف روانہ ہوئے، پٹنہ میں کافی عرصہ قیام رہا اور اس دوران میں تحریک کو ایک باقاعدہ حکومت کے نمونے پر منظم کیا گیا، رسمی طور پر ملک کے چار حصّوں کے لیے چار خلیفوں اور ایک امام کا تقرّر کیا گیا اور ہر ضلعے میں ایک ایک گماشتہ مقرر کیا تاکہ وہ مستقل افسروں کے ساتھ لوگوں سے ٹیکس وصول کرنے کا بندوبست کرے"۔

اسلامی ہند کا مغربی تہذیب کے خلاف ردِّ عمل

از ڈاکٹر تصدّق حسین خالد

کتاب "شاہ اسمٰعیل شہید"۔ ص۹۴

آخر یہ لوگ کس کس کو جھوٹا قرار دیکر اپنی جان چھڑائیں گے، انتظام اللہ شہابی بھی

انگریزوں کی مراعات کو تسلیم کرتے ہیں۔

"مولانا محمد اسماعیل اور ان کے پیر مولوی سیّد احمد بریلوی نے دیکھا کہ سکھ جو مظالم مسلمانانِ پنجاب میں توڑ رہے ہیں مگر اکبر شاہ ثانی اور نواب اودھ ٹکر ٹکر دیکھ رہے ہیں، انھیں اپنی عشرت اور عیاشی سے فرصت نہیں، ہر دو علمائے حق سر بکف خدا پر بھروسہ کرکے اُٹھ کھڑے ہوئے......... جب لشکرِ اسلام تیار ہو گیا، ۱۸۲۶ء میں روانگی عمل میں آئی۔ سیّد شہید نے جنوب سے پنجاب پر حملہ نہیں کیا کہ انگریزی تسلّط یہاں تھا اور انگریزوں سے بھڑنا بھی مقصود نہ تھا، ادھر انگریز بھی مزاحم نہ تھے بلکہ اخلاقی ایک گونہ مراعات روا رکھ رہے تھے۔"

"علمائے حق اور ان کی مظلومیت کی داستانیں"

از مفتی انتظام اللہ شہابی۔ ص ۲۷

(۵) ایک اور مسئلہ بھی حل ہوتا نظر آتا ہے کہ سکھوں کے ساتھ جہاد کرنے کے لیے سرحد کو کیوں چنا گیا اس لیے کہ انگریزی حکومت سکھوں سے معاہدہ کر چکی تھی اور اس معاہدے کا "مجاہدین" کو بہرحال پاس کرنا تھا۔ انگریز سکھوں پر حملہ کرانا چاہتا تھا مگر اپنی سرحد سے نہیں کیونکہ یہ معاہدے کی خلاف ورزی ہوتی۔

"سیّد صاحب نے سکھوں کے ساتھ جہاد کرنے کے لیے سرحد کی سنگلاخ سرزمین کو اس لیے ترجیح دی تھی کہ یہ علاقہ مجاہدین کے لیے نسبتاً محفوظ تھا، دوسرے یہاں کے باشندوں کی حمیّت ملّی مسلّم تھی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انگریزی حکومت سکھوں سے معاہدہ کر چکی تھی جس کے باعث انگریزی سرحد سے سکھ سلطنت پر حملہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔"

(شہدائے بالاکوٹ از محمد عارف)

ماہِ نو کراچی۔ خاص نمبر بیادگار تحریک آزادی۔ ص ۲۰
پاکستان کے مشہور مورخ ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کے حوالے سے بات کرتے ہیں جس سے واضح ہوتا ہے کہ پہلے انگریز نے مرہٹوں اور ٹیپو سلطان کی طاقت ختم کی پھر سکھوں کا زور توڑا اور آخر میں مغل شاہنشاہیت پر ضربِ کاری لگادی ـــــ اور ظاہر ہے کہ سکھوں کا زور توڑنے کا کام انھوں نے اپنے معتمدینِ خاص سید احمد بریلوی اور اسمٰعیل صاحبان سے لیا۔

"جنوب میں مرہٹوں اور ٹیپو سلطان کی طاقت فنا ہوچکی تھی ادھر شمال میں سکھوں کا زور توڑا جاچکا تھا لے دے کے یہ مغل شاہنشاہیت کا ٹمٹماتا ہوا چراغ باقی تھا۔ جس کی موجودگی برطانوی اقتدار کی آنکھ میں کانٹا بن کر کھٹک رہی تھی"۔

بہادر شاہ ظفر کا روزنامچہ از ڈاکٹر عاشق حسین

کتاب "۱۸۵۷ء۔ کوائف وصحائف"۔ ص ۵۵

اب ذرا اس طرف بھی توجہ دیجیے کہ اسمٰعیل دہلوی صاحب نے مسلمانوں کو کافر و مشرک قرار دینے کا کارنامہ کس لیے انجام دیا اور پھر ان لوگوں نے بقول ان کے "منافق مسلمانوں" کے خلاف "جہاد" کیوں کیا، صرف اس لیے کہ انگریز مسلمانوں کو ٹکڑے ٹکڑے دیکھنا چاہتا تھا۔
سرجان میلکم نے لکھا۔

"ہماری حکومت کی حفاظت اس پر منحصر ہے کہ جو بڑی جماعتیں ہیں ان کو تقسیم کرکے ہر جماعت کو مختلف طبقوں اور فرقوں میں ٹکڑے ٹکڑے کردیا جائے تاکہ وہ جُدا رہیں اور ہماری حکومت کو متزلزل نہ کرسکیں"۔

مضمون "برصغیر کے اسلامی مدارس"

از شمس الحق افغانی

(ماہنامہ البلاغ کراچی۔ فروری ۱۹۶۹ء)

ایک اور اقتباس ملاحظہ ہو۔

مسلمانانِ سرحد و پنجاب پر سکھوں نے اپنے زمانۂ عروج میں جو مظالم کیے تھے ان سے متاثر ہو کر مولانا سید احمد بریلوی اور ان کے خلیفہ مولوی محمد اسمٰعیل نے ۱۸۲۴ء میں جو سلسلۂ جہاد شروع کیا تھا وہ ۱۸۴۷ء تک جاری تھا تا آنکہ انگریزوں نے پنجاب پر قبضہ کیا"۔

(انیسویں صدی کا افسانۂ تباہی) از محمد امین زبیری

ماہِ نو کراچی۔ خاص نمبر بیادگارِ تحریکِ آزادی ص ۲۵

سکھوں سے ان کی لڑائی اس لیے تھی کہ یہ علاقہ انگریزی سلطنت میں شامل ہو جائے جب یہ ہو گیا تو ان کا "کام" ختم ہو گیا اس سب کچھ کے بعد اگر پروفیسر محمد ایوب قادری کہیں کہ سکھوں کے علاقے پر انگریز کا تسلط قائم کروانے کے بعد یہ "مجاہد" انگریز سے لڑنا چاہتے تھے تو آپ کیا کہیں گے، مجھے علم نہیں مگر میں کہتا ہوں کہ

نظریں کہیں ہیں ہاتھ کہیں، سوچ ہے کہیں
اس بے توجہی سے تو پتھر نہ ماریے

"ظاہر ہے کہ پنجاب کے انگریزوں کے قبضہ میں آجانے کے بعد مجاہدین کا مقابلہ براہِ راست انگریز سے تھا"۔

مقدمہ "حیاتِ سید احمد شہید"

از پروفیسر محمد ایوب قادری ص ۲۴

کہاں کسے سے ظاہر ہے؟ کس بات سے ظاہر ہے، سید احمد خود کہتے ہیں کہ ہم انگریزوں کے خدامِ بے دام ہیں، ان کے متبعین ساتھی ان کے ابوبکر و عمرؓ (نعوذ باللہ) دہائی دیتے ہیں۔ کہ ہمارا انگریز سے کوئی جھگڑا نہیں، سرحد کے مسلمان ان کو ان تمام حالات کی بنا پر انگریز کا جاسوس سمجھتے ہیں اور اسی یقین کے باعث مار ڈالتے ہیں وہ انگریز کا مال کھاتے ہیں

انگریز انھیں ہنڈیاں پہنچاتے ہیں ان کے بال بچوں کی حفاظت کرتے ہیں وہ انگریز کے حریف سکھوں سے جنگ لڑتے ہیں۔ وہ ان مسلمانوں کے خلاف جہاد "کرتے ہیں جن سے انگریز کو خطرہ تھا، جن کے بارے میں انگریز کو یقین تھا کہ ان میں عشق رسول کا جذبہ موجود ہے۔ یہ دینی معتقدات کے سختی سے پابند ہیں، رسول کو "اپنے جیسا بشر" نہیں سمجھتے ــــ پھر یہ کہاں سے ظاہر ہوا کہ مستقبل قریب میں مجاہدین کا مقابلہ براہِ راست انگریز سے تھا۔

تشنہ کاموں کو سرابوں کا چکا چوند نہ دے

ایک اور آواز سماعت فرمایئے۔

"علاقہ سرحد میں مولانا مولوی سید احمد بریلوی اور مولانا اسمٰعیل شہید نے انگریزوں کے خلاف وہ آگ بھڑکا دی تھی جو بجھنے میں نہ آئی"۔

"ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء"

از مفتی انتظام اللہ شہابی صٓ

کہیں سے کوئی ایک دلیل! کوئی ثبوت! کوئی اشارہ! ــــ بھئی، یہ انگریزوں کے خلاف آگ آخر بھڑک کیسے اٹھی؟ یہ چنگاری آپ کے ذہن میں کیسے بھڑکی جس سے نہ بجھنے والی آگ پیدا ہوئی ہے کچھ ہمیں بھی تو بتایئے ــــ یا ہمارے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ آپ مفتی کہلاتے ہیں، فتویٰ دے رہے ہیں۔ سبحان اللہ،

بگو حدیثِ وفا، از تو باور است بگو

شوم فدائے دروغے کہ راست مانند است

سرحد کے مسلمانوں کے خلاف

جہاد

خانۂ ملّاح در چین است و کشتی در فرنگ

کچھ لوگ انگریزوں کے خلاف کوئی بات کرنا خلافِ مصلحت سمجھتے رہے ان سے ارادت اور ان کی اطاعت پر افتخار و ابتہاج ظاہر کرتے رہے ان کے دشمنوں کو اپنا دشمن سمجھتے رہے، یہ حضرات جب بالاکوٹ پہنچے، جہاں پہنچنے کے لیے انھوں نے "قرعۂ فال" نکالا تھا تو موت نے ان کا استقبال کیا۔

ان لوگوں نے پکے سچے مسلمانوں کو مشرک اور کافر قرار دیا۔ اُن کو مفسد اور مخالف کہہ کر اپنی ساری علمیت اُن کے قتل کا جواز پیدا کرنے کے لیے انھیں "مُرتد ثابت" کرنے اور ان کے اموال اور جائیدادوں کو مالِ غنیمت قرار دینے پر صرف کر دی۔

سید احمد اور اسمٰعیل دہلوی صاحبان ان غیر وہابی مسلمانوں کو اہلِ کتاب کا فرول میں شمار کرتے ہیں مگر نصاریٰ بھی تو اہلِ کتاب ہیں، جن سے ان کے مراسم برخورداری قائم رہے۔ صرف اس لیے کہ وہ صاحبانِ بست دکشاد تھے۔ یہ لوگ انگریزوں سے جنگ کے تصور کی مخالفت کرتے رہے مگر اہلِ سنت وجماعت مسلمانوں کے قتل و خُون کے جواز کی صورتیں نکالتے رہے۔

"یہاں دو معاملے درپیش ہیں، ایک تو مفسدوں اور مخالفوں کے ارتداد کا ثابت کرنا اور قتل وخُون کے جواز کی صورت نکالنا اور اُن کے اموال کو

جائز قرار دینا، اس بات سے قطع نظر کہ وہ ان کے ارتداد پر یا ان کی بغاوت پر مبنی ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کا آیا کوئی سبب ہے یا کچھ اور ہے جبکہ بعض اشخاص کے مقابلے میں ان کا مرتد ہونا ثابت ہو چکا ہے اور بعض کے متعلق بغاوت یا اس کا کوئی اور سبب، اگرچہ پہلا طریقہ ہمارے پاس وہی تحقیق اور تفتیش کرنا ہے۔ کیونکہ ہم ان فتنہ پردازوں کو فی الحقیقت مرتدوں بلکہ اصل کافروں میں شمار کرتے ہیں اور ان کو اہل کتاب کافروں کے مثل جانتے ہیں"

مکتوب مولوی محمد اسمٰعیل بنام سید احمد

مکتوبات سید احمد شہید ص ۲۴۱

انگریزوں کی مخالف طاقت جانباز سرحدی مسلمان تھے، ان کو بدکردار منافق کہہ کر "تحریک مجاہدین" کے سربراہوں نے ان کی گندگی کو پاک کرنے کا مصمم ارادہ کیا اور اس مقصد کے لیے ان پر چڑھائی کی خدا نے ان کو اپنے عزائم میں کامیاب نہ ہونے دیا۔ آج کے "دانشور" ان کی سکھوں کے ساتھ لڑائیوں کا ذکر کرتے ہوئے مسلمانوں کی غداری کا رونا روتے ہیں لیکن اصرار کرتے ہیں کہ ان مجاہدوں کی کوئی لڑائی مسلمانوں سے نہیں ہوئی سب سکھوں ہی سے ہوئی ہیں سید احمد بریلوی صاحب خود مسلمانوں کو مرتد ثابت کرنے ان کے خلاف خونریزی کا جواز پیدا کرنے اور ان کا مال ہضم کرنے کی بات کرتے ہیں اس گندگی کو پاک کرنے کے ارادے رکھتے ہیں۔ ان "اقوال وارشادات" کو کوئی کہاں تک چھپا سکتا ہے،

منافقین کے ساتھ جہاد کرنا بحکم "مقدمۃ الواجب" ایک واجب معاملہ ہے اس لیے خاکسار سچے مسلمانوں کے ساتھ شہر پشاور اور قرب وجوار سے بدکردار منافقوں کی گندگی کو پاک کرنے کا مصمم ارادہ کر کے موضع پنجتار تک پہنچ گیا ہے"۔ (مکتوب بنام سردار میر عالم خاں باجوڑی)

مکتوبات سید احمد شہید ص ۱۳۵

منشی محمد حسین محمود رئیس قصبہ نہٹور ضلع بجنور کی کتاب "فریادِ مسلمین" مطبع ریاضِ ہند امرتسر میں چھپی تھی اس کا ایک نسخہ لاہور کی ایک لائبریری میں موجود ہے

اس میں مصنف نے سید احمد بریلوی کے اعلانِ تکفیر کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ پنجاب کے امیر اور علماء اُن کی اِن حرکتوں سے سخت ناراض ہوئے اور سمجھ گئے کہ یہ جعلی "پیر" ہیں اور اصلی وہابی اس لیے ان سے بیعت روا نہیں ہے۔

"جب کوئی امیر مسلمان اور عالم پنجاب کا ان کی طرف متوجہ نہ ہوا تب انھوں نے ان کی تکفیر کا فتویٰ جاری کیا۔ اس فتوائے تکفیر کے اجرا سے تمام ملک پنجاب کے امیر اور علماء ناراض ہو گئے اور جواب لکھے کہ تم وہابی مذہب ہو، تم سے بیعت کرنا روا نہیں۔" (فریادِ مسلمین) ص ۹۸

وہابی خود مانتے ہیں کہ پنجاب والے خصوصًا ان کے معتقدات سے نفرت کرتے تھے اور مولوی محمد اسمٰعیل صاحب نے ایسے ہی عقیدوں کو رواج دیا تھا جس سے اسلامیوں میں پھوٹ پڑے اور انگریزی حکومت مضبوط ہو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کم ہو اور مسلمان کمزور ہوں۔

سرِ ایں فتنہ زجائیست کہ من می دانم

ان معتقدات کے مخالفوں کے خلاف انھوں نے "فوج کشی" کی اور انھیں "کیفرِ کردار" تک پہنچانے کی سعی کی، انگریزوں نے شاید اس مقصد کی تکمیل کے لیے بھی اپنے مقبوضہ علاقے میں شورش کو مناسب نہیں سمجھا اور انھیں سرحد جانے کا اشارہ کیا، انھوں نے اس تحریک کو دوہرے فائدے کے لیے جنم دیا کہ ایک تو سکھ جو انگریزوں کے لیے مصیبت تھے کمزور ہوں، دوسرے مسلمان اس سازش کے نتیجے کے طور پر اس قابل نہ رہیں کہ کبھی انگریزوں کے مقابلے میں کھڑے ہو سکیں خصوصًا سرحد کے مسلمان جو ہمیشہ انگریزوں کو پریشان کرتے رہنے کی صلاحیتوں اور اہلیتوں سے مالامال تھے۔

وہابی ایک فرقہ ایسے اشخاص کا ہے کہ وہ اس طریقۂ اسلام سے عموماً پنجاب میں رائج ہے اتفاقِ کُلی نہیں کرتے۔"

(ترجمانِ وہابیہ ص۴۶)

وہابیوں کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کی دستبرد سے کوئی بزرگ نہیں بچا، جن لوگوں نے حبیب کبریا محمد مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء کی عزت و تکریم اور عقیدت و تعظیم کے خلاف زبانِ درازی کی ہو، ان کے نزدیک بزرگانِ دین کیا اہمیت رکھتے ہیں۔

"عجب اختلافِ مذہبی میں بحث شروع کی، حضرت امام اعظم ابوحنیفہ سے لیکر جس قدر امام اور اولیاء اللہ خاندانِ قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ اور سہروردیہ وغیرہ میں گزرے ہیں، ان کو ملحد اور مشرک اور بدعتی آمین بالجہر کی طرح پکار کر کہنا شروع کر دیا۔"

(فریادِ مسلمین ص۱۱۳)

"تاریخِ تناولیاں" سید مراد علی علیگڑھی (منشی سرحد چوکی دربند ضلع ہزارہ) کی تصنیف ہے۔ اور "مجاہدین" کی جنگ کے بارے میں لائقِ اعتماد ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ سردار پائندہ خاں کے خلاف سید احمد اور اسمٰعیل صاحبان نے بیعت نہ کرنے اور انہیں خلیفہ تسلیم نہ کرنے کی بنا پر فتویٰ کفر دیا اور اس کے خلاف جہاد کیا یہاں علامہ فضلِ حق سے ان حضرات کا تقابل کریں تو عجیب صورتِ حال سامنے آتی ہے فضلِ حق انگریز غاصبوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیتے ہیں اور اسمٰعیل و سید احمد حنفی مسلمانوں کے خلاف۔

ببیں تفاوتِ رہ، از کجاست تا بہ کجا

"تاریخِ تناولیاں" کے تعارف میں محمد عبد القیوم جلوال (تناولی) لکھتے ہیں۔

"اس کتاب کے مطالعے سے جہاں تناولی قوم کے مجاہدانہ کارناموں اور اسلام کے لیے جانثاری اور قربانی کے حیرت انگیز واقعات کا علم ہوگا وہاں

بہت سے رازہائے سربستہ کا انکشاف ہوگا، جن کے چھپانے کے لیے بہت سے لوگوں نے دیانت کو قربان کر دیا، تناولی قوم کے عظیم فرزند سردار پائندہ خاں نے ہری سنگھ اور دیوان سنگھ کو پے در پے شکست دے کر رنجیت سنگھ کو لرزہ براندام کر دیا تھا۔ ۱۸۳۰ء میں سیّد احمد بریلوی اور محمد اسمٰعیل دہلوی نے پشاور، مردان اور سوات کی مسلم آبادی کو بزور شمشیر محکوم بنا کر سردار پائندہ خاں کو پیغام بھجوائے اور خود مل کر بھی بیعت کی دعوت دی، جب وہ بیعت پر تیار نہ ہوا تو سیّد صاحب نے اس پر کفر کا فتویٰ لگا کر چڑھائی کر دی چونکہ سردار مذکور کی تمام تر توجہ سکھوں کی طرف تھی اور وہ ذہنی طور پر اس نئی جنگ کے لیے تیار نہ تھا اس لیے اسے شکست کھا کر علاقہ خالی کرنا پڑا اس نے شکست کا بدلہ لینے کے لیے دوبارہ صف بندی کی اور اپنا بیٹا یرغمال رکھ کر سکھوں سے مدد لے کر سیّد صاحب کے لشکر پر حملہ کر دیا اور انھیں علاقہ چھوڑ کر بالاکوٹ کی طرف جانے پر مجبور کر دیا۔"

تعارف "تاریخ تناولیاں"

از محمد عبدالقیوم جلوال (تناولی) صہ۲

کتاب کے مصنف اس جنگ کا ذکر یوں کرتے ہیں۔

"جنگ خلیفہ سیّد احمد بریلوی ملقب بہ سیّد بادشاہ و مولوی محمد اسماعیل دہلوی ہمراہ سردار پائندہ خاں۔

—— راویان معتبر چشم دیدہ نقل کرتے ہیں کہ ۱۸۳۰ء میں خلیفہ سیّد احمد سرگروہ وہابیاں نے یار محمد خان حاکم پشاور و کوہاٹ برادر دوست محمد خاں والیٔ کابل کو بہ پشت گرمی لشکر غازیاں شکست دی اور ملک پشاور و کوہاٹ پر قبضہ کر کے اپنے تھانہ جات مقرر کیے اور بہ لقب سیّد بادشاہ مشہور ہوا!......

سردار پائندہ خاں نے خلیفہ کی بیعت نہ کی۔ لہٰذا خلیفہ جانب پائندہ خاں سے بدگمان تھا۔ آخر بر نظر مصلحت خلیفہ موصوف مع مولوی اسمٰعیل مقام موضع عشرا پائندہ خان سے ملاقاتی ہوا اور وقتِ ملاقات خلیفہ نے کمال چرب زبانی و شیریں بیانی سے قصۂ بیعت کا چھیڑا مگر سردار موصوف نے سوائے لیت و لعل جواب صاف نہ دیا..... القصہ پھر تو خلیفہ نے نسبت پائندہ خاں فتویٰ کفر کا دے کر مع مولوی محمد اسمٰعیل و لشکر غازیاں برہنمونی سربلند خان و مدد خان عزم جنگ پائندہ خاں پر مستعد ہوا۔"

(تاریخ تناولیاں صفحہ ۵،۴۹)

مطبوعہ مکتبہ قادریہ لاہور

اِن مجاہدوں کی نبوّت کا دعویٰ تو تشنۂ تکمیل ہی رہ گیا تھا "امامت" ہی سے کام لینا پڑا، غلام رسُول مہر "امامت" کے منکروں کو اسمٰعیل دہلوی کے واجب القتل اور باغی قرار دینے کا ذکر فرماتے ہیں اور اس مسلمان کے خون کو جو اطاعت خدا و رسُول کرے مگر اطاعتِ سیّد احمد نہ کرے کفّار کے خون کے مانند قرار دیا جاتا ہے اور اعتراض کرنے والوں کا جواب بھی "جہاد" بتایا جاتا ہے۔ "جہاد" نہ ہوا، امرت دھارا ہو گیا کہ ان پر ہر تکلیف کا علاج اسی کے ذریعے ہو گا۔

یکے دو است بدار الشّفائے میکدہ ہا

بہر مرض کہ بنالد کسے، شراب دہند

"امامت کا کام پُورا ہو گیا تو شاہ صاحب نے منکرینِ امامت کو باغی اور واجب القتل قرار دیا۔"

(سیّد احمد شہید از غلام رسُول مہر جلد ۲ صفحہ ۹۲)

"آپ (سیّد احمد) کی اطاعت تمام مسلمانوں پر واجب ہوئی جو آپ کی امامت

کو سرے سے تسلیم نہ کرے یا تسلیم کرنے سے انکار کردے وہ باغی مستحل الدم ہے
اور اُس کا قتل کفار کے قتل کی طرح خدا کی عین مرضی ہے۔۔۔ معترضین کے اعتراضات
کا جواب تلوار ہے نہ کہ تحریر و تقریر۔"

(سیرتِ سید احمد شہید۔ ص ۴۰۵)

دیکھیے فلسفۂ جہاد اور نکتۂ امامت انگریز کی خوشنودی کے لیے پیدا کیے گئے تھے، دین
کی سربلندی اور ملت کی سرفرازی کے لیے نہیں۔

کارِ زلف تست مشک افشانی اما عاشقاں
مصلحت را تہمتے بر آہوئے چین بستہ اند

ان "مجاہدین" کی شریعت انگریز کی خوشنودی سے عبارت تھی لیکن ظاہر ہے کہ انگریز حکمرانوں
کے لیے سب کچھ کرتے ہوئے اگر اپنے لیے بھی کچھ کر لیتے تو کیا حرج تھا۔ چنانچہ انھوں نے سرحدیوں
کی لڑکیوں کے نکاح اپنے ساتھ ضروری قرار دیے اور اس پر "بطریقِ احسن" عملدرآمد شروع کر دیا
مگر بعض لوگوں نے اس زبردستی کو پسند نہ کیا، لڑائی ہوئی "صاحبانِ شریعت" (العیاذ باللہ) مارے گئے

ڈالی نظر ندی پہ تو بے موج، بے خروش
رکھا قدم تو گردشِ گرداب سامنے

یہ ہے اِن لوگوں کے سارے "جہاد" کی تلخیص۔

"خلیفہ صاحب نے شرعی حکومت کے زور سے ان (جرگہ یوسف زئی) کی لڑکیوں
کا نکاح حکماً کرانا چاہا بلکہ دس بیس لڑکیوں کے نکاح مجاہدین وغیرہ سے کرا دیے
اور خود بھی رضامندی سردارانِ جرگہ اپنے دو نکاح کیے مگر وہ جرگہ زبردست
ان سے سرکش ہو گیا اور بہت مدت تک ان پر جہاد ہوتا رہا، بہت کچھ جدال و
قتال کی نوبت پہنچی مگر وہ ان سے مغلوب نہ ہوا، ایک روز بہت سے ملکی جمع کر کے
مولوی محمد اسمٰعیل صاحب خود ان کے مقابلے کو گئے، لڑائی شروع ہوتے ہی

مولوی صاحب کی پیشانی پر گولی لگی، شہید ہو گئے"

کار ما آخر شد، آخر ز ما کارے نہ شد"

(فریادِ مسلمین صـ ۱۰۲)

"فریادِ مسلمین" کا مصنف بہر حال سُنّی مُسلمان ہے اور ظاہر ہے کہ جھوٹ بولنا اہلِ سُنّت کا کام نہیں ہے لیکن اگر جھوٹ کے خوگر اس بات کو نہ ماننے کا اصرار دہ بھی ظاہر کریں تو میں عرض کروں کہ یہی حقیقت اسمٰعیل صاحب کے عاشقِ زار مرزا حیرت دہلوی کے قلم سے بھی نکل گئی ہے ملاحظہ کیجیے۔

"ایک نوجوان خاتون نہیں چاہتی کہ میرا نکاح ثانی ہو مگر مجاہد صاحب زور دے رہے ہیں، نہیں ہونا چاہیے، آخر ماں باپ اپنی نوجوان لڑکی کو حوالۂ مجاہد کرتے تھے۔ اس کے سوا ان کو کچھ چارہ نہ تھا"۔

(حیاتِ طیبہ صـ ۳۵۶)

زبردستی سے شادیاں کرنے کے جہاد میں مصروف ہوئے تو مجاہدین کو نہ "تقویۃ الایمان" کی تبلیغ یاد رہی نہ "جہاد" کے مقصدِ اصلی کو کوئی زک پہنچی، نہ کوئی "الہام" پر دکا حساس پر صنونگن ہُوا۔ نہ "فتح و نصرت کی بشارتیں" اُن کا کچھ بگاڑ سکیں۔

خمار ما و در توبہ و دل ساقی

بیک تبسّم مینا شکست و لبست و کشاد

اُن سے ظالمانہ واقعات کے پس منظر میں ———— مولوی اسمٰعیل دہلوی کا ذہن کام کر رہا تھا چنانچہ وہ خدا و رسُول صلی اللہ علیہ وسلّم کے خوف سے بے نیاز نکاح بیوگان کے متعلق صاف لکھ گئے کہ

"اگر اُس کے خویشوں میں یہ صورت پیدا ہو جائے تو خواہ مخواہ دوسرا نکاح کرا دیوے"۔ (صراطِ مستقیم صـ ۷۱ مطبع مطبع احمدی لاہور)

جو شریف آدمی اپنی بچیاں جبراً ان کے نکاح میں دینے سے انکار کرتے تھے اور صحیح العقیدہ مسلمان تھے ان "منافقوں" اور "فسادیوں" کے خلاف سید احمد صاحب کو بقول خود غیب سے مامور کیا گیا ان کی گوشمالی کے لیے انھوں نے جہاد کو ضروری قرار دیا۔

اہلِ حدیث کے بہت بڑے رہنما اور ادیب مولوی محمد علی قصوری ایم اے کینٹب نے اپنی کتاب "مشاہداتِ کابل و یاغستان" شائع کردہ انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی (سلسلہ مطبوعات نمبر ۲۷) میں "جماعتِ مجاہدین" کی جو اخلاقی حالت بیان کی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ

خشتِ اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

"(جماعت کے امیر نعمت اللہ) عورتوں کے بے حد شوقین تھے تین تو ان کی نکاحتا بیویاں تھیں اور دس بارہ نہایت خوبصورت لڑکیاں بطور خادماؤں کے رکھتے تھے، امیر حبیب اللہ خان کی طرح امیر نعمت اللہ کا بھی زیادہ وقت انھی نوجوان لڑکیوں سے لہو و لعب میں گزرتا تھا"...... ص ۱۰۸

"کسی شخص کو بیت المال کے متعلق امیر صاحب سے سوال کرنے کا حق نہ تھا میں نے سنا کہ بعض گستاخوں نے بیت المال کے متعلق سوال کرنے کی جسارت کی مگر اس کا جواب یہ ملتا کہ رات کو چپکے سے امیر صاحب کے معتمد انھیں ختم کر دیتے تھے اور پھر اس کا ذکر بھی کوئی شخص نہیں کر سکتا تھا"... ص ۱۰۹

"امیر صاحب کی خادماؤں میں سے کوئی لڑکی حاملہ ہو جائے تو اس کے بچے کو پیدائش کے بعد گلا گھونٹ کر چپکے سے دریا برد کر دیا۔ امیر صاحب کی عادت تھی کہ ان خادماؤں کو اکثر بدلتے رہتے تھے"...... ص ۱۱۱

رحمت اللہ بھی اپنے بھائی کی طرح بہت بدچلن اور آوارہ مزاج نوجوان تھا اگر امیر نعمت اللہ کو لڑکیوں کی رغبت نے معطل کر رکھا تھا تو انھیں

نوجوان لڑکوں کی محبّت نے دُنیا و ما فیہا سے بے خبر بنا رکھا تھا"۔۔۔ ص۱۱۰

"امیر نعمت اللہ کی اولادِ نرینہ میں سے سب سے بڑا لڑکا برکت اللہ تھا جو غالباً اُس وقت نو سال کا تھا۔ لڑکا خاصا خوبصورت اور بگڑا ہوا صاحبزادہ تھا۔ ہر وقت دو تین اوباش نوجوان اس کی مصاحبت میں رہتے اس لیے اس کا آوارہ ہونا لابدی تھا۔۔۔"

مشاہداتِ کابل و یاغستان از مولوی محمد علی قصوری ایم ہائے کینٹ ص ۱۱۱

خاص قسم کے اہلِ قلم کہتے ہیں کہ یہ لوگ سکھوں سے لڑنے آئے تھے۔ جب کوئی ان سے پوچھے کہ سکھوں سے جنگ کرنی تھی تو پنجاب جاتے، سرحد میں کیا لینے آئے تھے تو فرماتے ہیں کہ اس مضبوط قلعے سے ساری دنیا فتح کی جا سکتی تھی بالاکوٹ ایسی جگہ ہے مگر اس مسئلے کو خود سیّد احمد صاحب نے حل کر دیا ہے، شاہزادہ کامران کے نام اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں کہ پہلے جہاد اِن مسلمانوں کے خلاف کیا جائے گا اور یہاں سے فراغت کے بعد پنجاب کے سکھوں سے بات ہوگی، دیکھ لیجیے۔

"اس عاجز کو جہاد کے اجرا اور کفر و فساد کے ازالے کے لیے غیب سے مامور کیا گیا ہے۔۔۔۔ چونکہ منافقوں اور فساد برپا کرنے والوں نے سرکش کفار کی حمایت پر کمر باندھ لی ہے اور مجاہدین سے دشمنی برت رہے ہیں اس لیے ان کی گوشمالی اور کفر و فساد کے خلاف جہاد کی مہم کا چلانا ضروری ہے، اسی بنا پر میں نے تمام مجاہدین کو منافقین کو کیفرِ کردار تک پہنچانے کی ترغیب دی ہے۔۔۔۔ اس کے بعد یہ عاجز اپنے سچے اور مخلص مجاہدین کے ساتھ لاہور کی طرف کفر اور سرکشی کے ازالے کیلئے روانہ ہو جائے گا۔ کیونکہ اصل مقصد پنجاب کے سکھوں سے جہاد کرنا ہے"۔

(مکتوباتِ سیّد احمد شہید۔ ص ۵۷، ۵٦)

اور یہ بات ایک جگہ نہیں کہی، ان "امیر المؤمنین" نے کئی مقامات پر دہرائی ہے۔

خان خاناں خلجائی رئیسِ قلات کے نام ایک مکتوب میں رقم فرماتے ہیں۔

"نہایت مناسب اور مصلحت یہ ہے کہ ایسا کیا جائے کہ سب سے پہلے تو منافقوں کے استیصال کے متعلق انتہائی کوشش کی جائے اور جب جنابِ والا کے قرب وجوار کے علاقہ میں ان بدکردار منافقین کا قصہ پاک ہو جائے تو پھر اطمینانِ خاطر اور دلجمعی کے ساتھ اصل مقصد کی طرف متوجہ ہو سکتے ہیں اس لیے مصلحتِ وقت یہی ہے کہ پہلے تو منافقین کے فتنہ وفساد کے دفعیہ کے لیے سخت کوشش فرمائیں"۔

(مکتوباتِ سیّد احمد شہید ۔ ص ۴۷)

اُنھوں نے جہاد کو جس طرح مذاق سمجھ رکھا تھا وہ تو اس حقیقت سے ظاہر ہے کہ وہ کسی کی طرف سے اس خدمت پر "مامور" تھے، جہاد ایسا معاملہ تو نہیں ہے کہ آپ اسے قرولی کی طرح ہر شخص کے بھونک دینے کا ڈراوا دیتے رہیں مگر ان صاحبوں نے کثرتِ استعمال سے اس قرولی کو کُند کر ڈالا تھا اگر کسی سے بحث میں ہار جاتے تو بھی یہی ارشاد ہوتا کہ فلاں کام کر لوں تو اس مولوی کے خلاف بھی جہاد کروں گا ـــــ آخر متخصّصین فی الجہاد تھے۔

"مولوی اسمٰعیل صاحب بحث مباحثہ کے ارادے سے ان (مولانا عبدالرحمٰن ولایتی) صُوفی لقب سے ملنے گئے مگر کہتے ہیں کہ صُوفی صاحب کا تصرّف غالب رہا، بحث شروع کرنے سے باز رہے۔ رُخصت کے وقت مولوی اسمٰعیل صاحب نے فرمایا کہ فرنگی محل کے مولوی بہت گمراہ ہیں۔ میرا ارادہ ہے کہ جس وقت کلکتہ سے واپس ہوں گا۔ ان گمراہوں پر جہاد کروں گا"۔

(فریادِ مُسلمین ص ۹۵)

اگر فرنگی محلیوں کے معاملے میں اسمٰعیل صاحب کی رگِ جہاد پھڑکی تھی تو شاہ نصیر پر بھی باقاعدہ چڑھ دوڑے تھے۔

"شاہ نصیر نامی حنفی چشتی جو ان دنوں میں ایک شاعر تھے۔ انھوں نے

مولوی اسمٰعیل صاحب کے جہاد کی تعریف میں جو قصیدہ لکھا، اس میں دو شعر ہجو ملیح میں لکھے ہیں۔ تذکرہ آبِ حیات کے مصنّف مولوی محمد حسین صاحب آزاد دہلوی نے یہ دو شعر انتخاب کر کے شاعر مذکور کی یادگار لکھے ہیں جن کی میں نقل کرتا ہوں۔

کلام اللہ کی صورت ہوا دل ان کا سیپارہ
نہ یاد آئی حدیث ان کو، نہ کوئی نقش قرآنی
ہرن کی طرح میدانِ دغا میں چوکڑی بھولے
اگرچہ تھے دمِ شملہ سے یہ شیرِ نیستانی

یہ چھیڑ ان کو ناگوار ہوئی، شاہ نصیر کے مکان پر حملہ کر کے چڑھ گئے۔"
(فریادِ مسلمین صفحہ ۱۱۰، ۱۱۱)

جناب یوسف جبریل جن کا کہنا ہے کہ میرے جدِّ امجد سکھوں کے خلاف لڑتے ہوئے شہید ہو گئے تھے نادانستگی میں اس مفروضے کی تردید فرما گئے کہ اسمٰعیل دہلوی صاحب سکھوں کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔

نکل جاتی ہو سچی بات جس کے منہ سے مستی میں
فقیہہِ مصلحت بیں سے وہ رندِ بادہ خوار اچھا

"اسمٰعیل شہید جیسے لوگ سر سے کفن باندھ کر لوگوں کو سکھوں کے عذاب سے نجات دلانے آئے اور مسلمانوں کے ہاتھوں ہی سے شہید ہو کر خالقِ حقیقی سے جا ملے۔" (مضمون "المیہ ہسپانیہ کے عوامل" از یوسف جبریل
(روزنامہ نوائے وقت لاہور۔ ۲۵ اگست ۱۹۸۷ء)

ان سے لوگوں کے "محتاط الفاظ" کے بین السطور اس حقیقت کو تلاش کیا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہونے والوں میں کون کون شامل تھے۔

"۱۸۳۱ء میں بالاکوٹ کے مقام پر حضرت سید احمد شہید اور ان کے ساتھی شہید کر دیے گئے اور خود آزاد قبایل ہی سے بعض لوگوں نے ہندوستانی مجاہدین کو لوٹا کھسوٹا اور قتل تک کیا"۔

مقدمہ "کابل میں سات سال" از عبداللہ سندھی۔ ص ۱۶

سر سید احمد خاں مسلمانوں کے ساتھ ہونے والے دھوکے کا ذکر تو کرتے ہیں مگر ان کی مجاہدوں سے مخالفت کو دغا قرار دیتے ہوئے یہ حقیقت بہرحال تسلیم کرتے ہیں کہ اسمٰعیل و سید احمد کی "شہادت" مسلمانوں ہی کے ہاتھوں ہوئی۔

"ہندوستان کے گوشہ شمال و مغرب کی سرحد پر جو پہاڑی قومیں رہتی ہیں۔ وہ سُنّی المذہب حنفی قومیں ہیں ...... چونکہ پہاڑی قومیں ان (سید احمد و اسمٰعیل دہلوی) کے عقائد کے مخالف تھیں اس لیے وہ وہابی ان پہاڑیوں کو ہرگز اس بات پر راضی نہ کر سکے کہ وہ ان کے مسائل کو بھی اچھا سمجھتے مگر البتہ چونکہ وہ سکھوں کے جور و ستم سے نہایت تنگ تھے، اس سبب سے وہابیوں کے اس منصوبے میں بھی شریک ہو گئے کہ سکھوں پر حملہ کیا جائے .... لیکن چونکہ یہ قوم مذہبی مخالفت میں نہایت سخت ہے اس سبب سے اس قوم نے اخیر میں وہابیوں سے دغا کر کے سکھوں سے اتفاق کر لیا اور مولوی محمد اسمٰعیل صاحب و سید احمد صاحب کو شہید کر دیا"۔

(مقالاتِ سرسید، حصہ نہم۔ ص ۱۴۰، ۱۳۹)

"علمائے ہند کا شاندار ماضی" کے مصنف اسمٰعیل و سید احمد کی مسلمانوں کے ہاتھوں "شہادت" نہیں مانتے مگر ان کے بہتیرے ساتھیوں کے اسی انجام کی دُہائی دیتے ہیں۔

"خود مسلمانوں کے ہاتھوں سید صاحب کے غازیوں کے بڑے حصہ کو ایک ہی رات میں ذبح کروایا"۔ (علمائے ہند کا شاندار ماضی۔ جلد ۲ ص ۲۴۵)

فضل حسین بہاری صاحب جو وہابیوں کے بہت بڑے نمائندے ہیں سید نذیر حسین دہلوی کی سوانح حیات میں حسب روایت محتاط زبان میں ان حضرات کے مسلمانوں کے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچنے کی بات کرتے ہیں۔

نیروئے عشق بیں کہ دریں دشت بیکراں

گامے نہ رفتہ ایم و بیاباں رسیدہ ایم

"جب سکھوں نے دیکھا کہ عنقریب مسلمان تمام پنجاب پر قابض ہو جائیں گے تو انھوں نے اپنے کو (جن کی تعداد معتد بہ تھی) گانٹھا اور اس بے وفا قوم نے عین حالتِ جنگ میں بے وفائی کی جس سے مسلمانوں کو شکست ہوئی اور مولانا شہید اپنے سردار اور ہمراہیوں سمیت ۲۴ ذی القعدہ ۱۲۴۶ھ کو ترپن سال کی عمر میں شہید ہو گئے"۔

(الحیات بعد الممات۔ ص ۲۰۴)

・~・~・~・~・~・✲・~・~・~・~・~・

حقائق کا اخفا

بدل چکے ہیں بہت خوشنوائی کے معیار
خدا چمن میں کسی کی زباں نہ کھلوائے

جب کسی افسانے کی اساس ہی صداقت دشمنی اور کذب شعاری پہ رکھی جائے تو حق کو قبول کرنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی۔

آپ ناقابلِ تردید دلائل و براہین سے کسی مؤقف کو غلط ثابت کرتے ہیں اگر مدِّ مقابل کسی غلط فہمی کا شکار تھا تو حق کو قبول کرلے گا لیکن اگر جان بوجھ کر غلط مؤقف کو اپنائے ہوئے تھا اور لوگوں کو دھوکا دینے کے نقطۂ نظر سے سب کچھ کہہ رہا تھا تو حقائق کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہو سکے گا۔ غلام رسول مہر نے بڑی محنت سے کہانیاں گھڑ کر مجاہدین" کی آبرو بنائی اب لوگ حقائق کے آئینے دکھا دکھا کر ان کے بیانات اور توجیہات کو غلط ثابت کر دیں تو بھی وہ اپنی خود ساختہ عمارت کو اسی طرح قائم و دائم دیکھنے کی خواہش میں مجاہدین" کی شان و آبرو ہر حال میں قائم رکھنے کا اعلان کرتے ہیں۔

"میں مجاہدین کی شان و آبرو بہرحال قائم رکھنے کا قائل ہوں، اگرچہ وہ بعض سابقہ بیانات اور توجیہات سے عین مطابق نہ ہو۔"

(افاداتِ مہر۔ ص ۲۳۱)

"افاداتِ مہر" کے مرتب ڈاکٹر شیر بہادر خاں پنّی نے مانسہرہ میں کسی پمفلٹ کے بارے میں مہر صاحب سے استفسار کیا تو شاید اس پمفلٹ کے مندرجات ان کی قائم کردہ عمارت

کھنڈر میں تبدیل کر دینے والے ہوں گے اِس لیے وُہ لکھتے ہیں کہ "میرے تاثر" کے مطابق اس پمفلٹ میں سیّد احمد شہید کے متعلق کچھ زیادہ اچھا نہیں لکھا گیا یعنی مہر صاحب نے تاثرات و تعصبات کو تحقیق و تاریخ کا نام دے دیا ہے۔ کمال ہے۔

"ایک آپ نے غالباً انگریزی پمفلٹ کے متعلق پوچھا تھا وُہ پمفلٹ مَیں نے کسی زمانے میں پڑھا تھا، انگریزی بہت عُمدہ تھی لیکن سیّد احمد شہید کے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا تھا، میرے تاثر کے مطابق وُہ کچھ زیادہ اچھا نہ تھا"۔

(افاداتِ مہر۔ ص ۲۳۹)

جس دستاویز، تاریخ، تصنیف سے بھی مہر صاحب کو اپنے مفروضوں کی حمایت میں کوئی بات نہ ملے وہ اس کو تاریخی ماخذ قرار نہیں دیتے اس سے صرفِ نظر کرتے ہیں یا اسے جھٹلانے کی کوشش کرتے ہیں۔

"مجھے دلی افسوس ہے کہ آپ کی کتاب کا وہ حصّہ نہ دیکھ سکا جو سرکاری دستاویزات پر مبنی ہے آپ نے یقیناً دستاویزوں سے پُورا فائدہ اُٹھایا ہوگا لیکن ایک بات عرض کر دوں مَیں نے دیکھا ہے کہ بعض اوقات یہ دستاویزیں بھی غلط فہمی کا باعث بن جاتی ہیں"۔

(افاداتِ مہر۔ ص ۱۰۳، ۱۰۴)

ڈاکٹر شیر بہادر خاں پنی نے مہر صاحب سے ایک خط میں استفسار کیا کہ "تاریخ تنولیاں" طبع ۱۸۷۷ء از سید مراد علی مطبع کوہِ نور، کہاں سے مل سکے گی (افاداتِ مہر ص ۱۹۳) اس کا جو جواب غلام رسُول مہر نے ۲۲ دسمبر ۱۹۶۸ء کو پنی صاحب کو دیا۔ اس میں تاریخ تنولیاں کا ذکر تک نہیں کیا اور ان کے اس استفسار کا جواب نہیں دیا۔

شاید ڈاکٹر پنی کے دوبارہ سہ بارہ پوچھنے پر مہر صاحب نے ۱۵ فروری ۱۹۶۹ء کے خط میں لکھا۔ کتاب بازار میں ناپید ہے پُرانی کتابوں میں اتفاق سے مل جائے تو مل جائے

ورنہ اُمید نہیں کہ ہاتھ آئے (افاداتِ مہر ص۱۹۸) اس کتاب میں چونکہ حقائق ہیں اور وہ حقائقِ جہاد کی اصلیت پر بھی روشنی ڈالتے ہیں۔ اس لیے مہر صاحب نے ڈاکٹر بھٹی کو اس تاریخی ماخذ تک پہنچنے کی کوشش میں کامیاب نہیں ہونے دیا۔ حالانکہ کتاب مہر صاحب کے پاس موجود تھی اور انتقال کے بعد اُن کے کتب خانے میں پائی گئی۔ اسی حقیقت کو "تاریخ تناولیاں" مطبوعہ مکتبہ قادریہ لاہور کے تعارف نگار ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

"افسوس کہ ان بہادر اور غیور تناولی مُسلمانوں کے مجاہدانہ معرکوں کو کماحقہ، محفوظ نہ کیا گیا۔ مشہور مؤرخ غلام رسُول مہر نے "تحریکِ بالاکوٹ" کا جائزہ لیتے ہُوئے نہ معلوم کس مصلحت کے تحت "تاریخ تناولیاں" ایسے قدیم ماخذ کو یکسر نظر انداز کر دیا غالباً یہ کتاب اُن کی خود ساختہ کہانی کے مطابق نہ تھی"

تعارف "تاریخ تناولیاں"

از محمد عبدالقیوم جلوال ص۲

حق کو تسلیم نہ کرنا اور حقایق کو پردوں میں چھپانے کی کوشش کرنا صرف مہر صاحب ہی کا خاصہ نہیں ہے یہ سب حضرات اس میں طاق ہیں۔ مسعود عالم ندوی کو عبیداللہ سندھی پر یہ غصہ ہے کہ وہ سید احمد اور ان کے وہابی ساتھیوں کی کمزوریوں پر تنقید کیوں کرتے ہیں ان کی مذمت میں کوئی لفظ کیوں کہہ دیتے ہیں۔ بھئی! جب کوئی کام قابلِ مذمت ہے تو اس کی مذمت اور تنقید میں قلم کو اعتدال پر رکھنے کے کیا معنی ہیں۔؟

"مولانا سندھی کی کتاب "ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک" وسیع مطالعہ اور عمیق فکر کا نتیجہ ہے مگر انہوں نے حزبِ ولی اللہ کی تشکیل اور مَن مانی توجیہ کی خاطر سید صاحب کے ماننے والوں اور خاص کر اہلِ صادقپور پر بڑا ظلم کیا ہے اور اُن کی کمزوریوں کی تنقید و مذمت میں اُن کا قلم اعتدال پر قائم نہیں رہ سکا ہے"۔

(ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک از مسعود عالم ندوی ص۱۰)

جن صادق پور والوں پر ظلم و ستم کی دُہائی مسعود عالم ندوی دے رہے ہیں یہ
ہی ہیں جن کے متعلق "علماء ہند کا شاندار ماضی" اور "الدر المنثور" کے حوالے سے بتایا جا چکا ہے
کہ یہ ۱۸۵۷ء کی تحریکِ آزادی کے مخالف رہے۔

غلام رسول مہر کہتے ہیں۔

"اگر سکھ آزادئ وطن کے جہاد میں ساتھ دینے کے لیے تیار ہو جاتے تو خود ان
سے رزم و پیکار کی کوئی وجہ نہ ہوتی اور باشندگانِ علاقہ جات سرحد کی آزادی
بھی محفوظ ہو جاتی۔ اس طرح خاصی بڑی قوت فراہم کر کے آزادئ پاک و ہند کے
لیے قدم بڑھایا جا سکتا تھا"۔

("روزنامہ مشرق لاہور - ۱۷ر نومبر ۱۹۷۴ء")

مہر صاحب "جدید تاریخ" کے موجد ہیں انہوں نے اس تحریک کے حق میں کئی کتابیں لکھیں،
بیسیوں مضامین تحریر کیے لیکن کیا وہ خود بھی کہیں یہ ثابت کر سکے ہیں یا کوئی اور صاحب ثابت
کر سکتے ہیں کہ سید صاحب نے آزادئ ہند کی بات کی ہو یا انگریزوں کو اس خطے سے نکال باہر
کرنے کا عندیہ ظاہر کیا ہو یا سکھوں سے اس نوع کی کوئی گفتگو کی ہو کہ وہ ان سے مل کر ملک
کے غاصبوں (انگریزوں) کے خلاف تحریک چلائیں، حالات کی ستم ظریفی ہے کہ اب تاریخ لکھی
نہیں جاتی، گھڑی جاتی ہے، یُوں مہر صاحب ایک "تاریخ ساز" شخصیت کہلانے کے بجا طور
پر حقدار ہیں۔ "تاریخِ اعیانِ وہابیہ" میں محمد محبوب علی خان لکھنوی نے دلائل و براہین سے واضح
کیا ہے کہ

"اسمٰعیل دہلوی اور ان کے مُرشد سید احمد بریلوی کی اس جنگ زرگری
سے برٹش کو حسبِ ذیل فائدے ہُوئے۔

۱۔ دہلی اور ہندوستان کے دیگر بلاد آسانی کے ساتھ بہادر اور غیر تمند مسلمانوں
سے اکثر خالی ہو گئے۔

۲۔ مغل سلطنت کے جاں نثار اس کے قرب میں کم ہو گئے۔

۳۔ سلطنتِ ہند کی قوت کمزور سے کمزور تر ہو گئی۔

۴۔ ہندوستان پر مکمل قبضہ کرنا انگریزوں کو آسان ہو گیا۔

۵۔ ان دونوں کی ایجنسی سے انگریزوں کی قوت بڑھ گئی۔

۶۔ ان کی جنگ زرگری سے پنجاب پر بھی انگریزوں کا تغلّب آسان ہو گیا۔

۷۔ سرحدی مسلمانوں میں ان دونوں نے پھوٹ ڈال دی۔

۸۔ آزاد قبائلیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ انھیں ایک دوسرے کے خون کا پیاسا بنا دیا۔

۹۔ قبائلی مسلمانوں کے قتل کے فتوے بار بار لکھے اور شائع کیے۔

۱۰۔ پٹھانوں کی طاقت کمزور کرا دی۔

۱۱۔ کافروں کے مقابل ان کی ہوا خیزی کرائی۔

۱۲۔ کتاب "تقویۃ الایمان" کے ذریعہ مسلمانوں میں نفاق و شقاق کی آگ بھڑکائی۔

۱۳۔ دوسری ریاستوں اور حکومتوں کو بھی خطوط و سفیر بھیج بھیج کر پنجاب کی طرف متوجہ کیا اور سلطنتِ مغلیہ کی مدد سے غافل کر دیا۔

فرقہ بندی کرائی گھر گھر لڑائی کرائی، کچھ دنوں بعد ہی برٹش نے تغلّب کیا اور کچھ دنوں بعد ان کی مدد کی بنا پر انگریزوں نے نہ صرف دہلی بلکہ تمام ہند پر تسلط پا لیا۔"

("تاریخِ اعیانِ وہابیہ۔ ص ۴۲، ۴۳")

.~.~.~.~.~.~.~.~.~.~.~.

حرفِ آخر

علّامہ فضلِ حق خیر آبادی اور مولوی اسمٰعیل دہلوی کے سیاسی کردار کے تقابلی جائزے میں درج ذیل حقائق و معارف سامنے آئے ہیں۔

۱۔ فضلِ حق کے دین کی رُو سے اسلام کے دشمنوں اور مُلک کے غاصبوں پر جہاد واجب تھا جبکہ اسمٰعیل دہلوی کے مذہب کی رُو سے یہ بات فرض تھی کہ انگریزوں پر جہاد کرنے میں کبھی شریک نہ ہوں۔

۲۔ فضلِ حق کا جہاد صرف انگریز کے خلاف تھا مگر اسمٰعیل دہلوی "جہاد سپیشلسٹ" تھے بحث میں جس عالم سے ہار جاتے تھے، اس کے خلاف بھی "جہاد" کا اعلان کر دیتے تھے جو شاعر ان کی ہجو کہتا تھا اس پر بھی چڑھ دوڑتے تھے۔

۳۔ فضلِ حق جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کے عظیم رہنما تھے جنگِ آزادی میں حصہ لینے کی پاداش میں انگریزوں نے مُسلمانوں پر ظُلم و استبداد کی انتہا کر دی اس کے مقابلے میں اسمٰعیل دہلوی اور سیّد احمد کا اعلان تھا کہ سرکارِ انگریزی گو منکرِ اسلام ہے مگر مسلمانوں پر کچھ ظُلم اور تعدّی نہیں کرتی۔

۴۔ فضلِ حق اور ان کے ساتھیوں نے پیغمبر اسلام صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اُدنیٰ خادم اور نام لیوا کی حیثیّت سے جنگِ آزادی میں حصّہ لیا جبکہ سیّد احمد بریلوی نے اپنے آپ کو مامور من اللہ کہا

اپنے اوپر الہام ہونے کا دعویٰ کیا اور اسمٰعیل دہلوی کو سیّد احمد کا خلیفہ بمنزلہ حضرت عُمر قرار دیا گیا۔

۵۔ جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء میں فضلِ حق خیرآبادی کی خدماتِ جلیلہ کا اعتراف غیرجانبدار مؤرخین کے علاوہ جانبدار وہابیوں کو بھی کرنا پڑا۔ وُہ اس جنگ کے امام کہلائے اس کے برعکس سیّد احمد، اسمٰعیل دہلوی اور ان کے ساتھی مجاہدین کو سرحد سندھ اور کے لوگ انگریز کا جاسوس سمجھتے تھے۔ اسی لیے بُرا سمجھتے تھے اور اس قسم کی حقیقتوں کا اعتراف تحریکِ مجاہدین" کے نام لیواؤں کو بھی کرنا پڑا۔

۶۔ فضلِ حق کے خلاف استغاثے کے گواہ شہادت سے منحرف ہو گئے تو خود انھوں نے اقبالِ جُرم کرکے کالے پانی اور شہادت کو خوش آمدید کہا لیکن اسمٰعیل و سیّد احمد کے خلاف اس شکایت کی تردید انگریز افسروں نے خود کی کہ یہ انگریز کے مخالف ہیں۔

۷۔ انگریزوں کی حکومت فضلِ حق کے جہاد کا ہدف تھی۔ اس کے مقابلے میں اسمٰعیل دہلوی کے جہاد کی راہ میں گورنمنٹ انگلشیہ نے کوئی مزاحمت نہیں کی ہر طرح کی معاونت کی۔

۸۔ اسمٰعیل دہلوی مرہٹوں اور ٹیپو سلطان کے انگریزوں کی راہ سے ہٹ جانے کے بعد سکھوں کو ان کی راہ سے ہٹانے کے لیے سرگرمِ عمل رہے ان کی کوششوں سے سکھ حکومت پر انگریز حکومت فتحیاب ہوئے جبکہ صرف مغل حکومت باقی تھی جسے بچانے اور انگریز کا اقتدار ختم کرنے کیلئے فضلِ حق نے جان کی بازی لگائی۔

۹۔ فضلِ حق نے انگریز کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا اور اس جہاد میں باقاعدہ حصّہ لیا۔ اسمٰعیل دہلوی نے حضور پُرنور (صلّی اللہ علیہ وسلّم) سے محبّت رکھنے والے مُسلمانوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا اور اہلِ اسلام اور سکھوں کے خلاف جہاد کیا۔

۱۰۔ فضلِ حق کو انگریز غاصبوں نے کالے پانی کی سزا دی جہاں مصائب و شدائد کو برداشت کرتے کرتے وُہ شہید ہو گئے۔ اور اسمٰعیل دہلوی اور ان کے تمام ہمراہیوں

کو "جہاد" کے لیے تیار کرنے کی خاطر انگریزوں نے کھانے کھلائے سرحد میں ان کے لیے ہنڈیاں بھجوائیں اور ہر طرح ان کو مضبوط و مستحکم کیا۔

۱۱۔ جنگِ آزادی میں حصہ لینے والوں کے گھر تباہ کر دیے گئے اُن کی جائیدادیں چھین لی گئیں ——— اور "تحریکِ مجاہدین" کو مسلح ہونے دیا گیا ان کی "ریاست در ریاست" پر کوئی تعرض نہ کیا گیا۔ انھوں نے ٹیکس لینے کا اپنا نظام نافذ کیا تو بھی اُن سے نہ صرف صَرفِ نظر کیا گیا بلکہ ان کی ہر طرح مدد کی گئی۔

۱۲۔ فضلِ حق کے جاسوسوں نے ان کے خلاف گواہی دی اور انھیں سزا دلوائی، اسمٰعیل صاحب کے جاسوسوں کی رپورٹوں پر انگریز افسروں نے ان کی سرگرمیوں سے "کوئی تعرض نہ کرنے کی پالیسی جاری رکھی۔

۱۳۔ فضلِ حق نے عدالت میں اپنے فتوئ جہاد پر اصرار کیا۔ اسمٰعیل دہلوی نے انگریزوں کی خوشحال رعایا ہونے کا اقرار کیا۔

۱۴۔ فضلِ حق انگریزوں کی حکومت کی مخالفت جزائر انڈمان تک گئے اور وہیں شہادت پائی۔ اسمٰعیل دہلوی انگریز حکومت کے استحکام کی خاطر سکھوں اور سرحدی مسلمانوں سے جہاد کرنے بالاکوٹ تک گئے۔ اور مسلمانوں کے ہاتھوں "شہید" ہوئے۔

۱۵۔ فضلِ حق نے والیانِ ریاست کو انگریزوں کے خلاف بغاوت پر اُکسایا اور سید احمد بریلوی نے سرحدی امراء کو خط لکھے، جن میں سکھوں اور مخالف مسلمانوں کے قلع قمع کے عزائم کا اظہار کیا۔

۱۶۔ فضلِ حق نے مسلمانوں کو دین کی اصل پر قائم اور متحد رکھنے کے لیے کام کیا اور اسمٰعیل صاحب نے مسلمانوں کی تکفیر کی اور ان میں پھوٹ ڈالی۔

۱۷۔ فضلِ حق انگریز کی مخالفت میں الور سے دہلی، دہلی سے لکھنؤ کئی جگہوں پر گئے اور اسمٰعیل دہلوی اس حکومت کو مضبوط کرنے کے لیے یوپی سے سندھ، پنجاب، سرحد ہر جگہ گئے۔

۱۸۔ فضلِ حق غیر ملکی غاصبوں سے نفرت کرتے تھے اسمٰعیل دہلوی غیر ملکی غاصبوں کی فرمانبرداری پر مفتخر تھے۔

۱۹۔ فضلِ حق جنگِ آزادی کے سر کردہ لیڈر جنرل بخت خاں اور بہادر شاہ ظفر کے معتمد اور مشیر تھے اور اسمٰعیل و سیّد احمد انگریز حکام کے معتمد تھے، سرحد میں ان کے جاسوس سمجھے گئے۔ اور انگریزوں نے انھیں ہر قسم کی مراعات دیں۔

۲۰۔ فضلِ حق بہادر شاہ ظفر پر زور دیتے تھے کہ مجاہدوں کی ہمت افزائی کریں اور انھیں بہتر معاوضہ دیں۔ اسمٰعیل و سیّد احمد سرحدی قبائل کی نوجوان لڑکیوں سے زبردستی نکاح کرتے تھے۔ اور ان کے انکار پر ان کے خلاف "جہاد" کا عَلَم اُٹھا لیتے تھے۔

اِن واقعات کی روشنی میں قارئینِ کرام خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ برِّ صغیر کی قسمت کا فیصلہ کرنے میں کس نے کیا کارنامہ انجام دیا ہے۔ آزادی کی لگن کس کے دل و دماغ میں تھی اور کس کا "جوہرِ ادراک" انگریز حکام نے خرید رکھا تھا۔

یہ تو ہے دورِ شکست و ریخت اے نازک مزاج!
زد پہ شاید تیرا شیشے کا مکاں بھی آئے گا

کتابیات

آثار الصنادید، سر سید احمد خاں ۔ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی

آزادی کے مجاہد، محمود الرحمان ۔ نیشنل بک فاؤنڈیشن کراچی ۔ ۱۹۷۳ء

اردو انسائیکلو پیڈیا، فیروز سنز لمیٹڈ لاہور ۱۹۶۸ء

اردو (سہ ماہی) کراچی، انجمن ترقی اردو کراچی، جنوری ۱۹۶۸ء

اردو دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی لاہور

اردوئے معلیٰ (ماہنامہ) علیگڑھ ۔ دسمبر ۱۹۰۷ء

۱۸۵۷ کا تاریخی روزنامچہ، مرتبہ خلیق احمد نظامی ۔ ندوۃ المصنفین دہلی ۱۹۵۸ء

۱۸۵۷ء کوائف و صحائف، ادارۂ مطبوعات پاکستان، کراچی ۱۹۵۷ء

اٹھارہ سو ستاون کے مجاہد، غلام رسول مہر، کتاب منزل لاہور ۱۹۶۰ء

افاداتِ مہر، ڈاکٹر شیر بہادر خاں پنی ۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور

اکابرِ تحریکِ پاکستان، محمد صادق قصوری، مکتبۂ رضویہ گجرات

الاسلام (ہفت روزہ) لاہور، ۵؍ اگست ۱۹۷۷ء

الاقتصاد فی مسائل الجہاد، ابو سعید محمد حسین لاہوری ایڈیٹر رسالہ اشاعۃ السنۃ
مطبوعہ وکٹوریہ پریس، تالیف ۱۸۷۶ء اشاعت ۱۸۷۹ء

البلاغ (ماہنامہ) کراچی، فروری ۱۹۶۹ء

الحیات بعد الممات، فضل حسین بہاری مکتبۂ سعودیہ، حدیث منزل کراچی ۱۹۵۹ء

الزبیر (سہ ماہی) بہاولپور ۔ تحریکِ آزادی نمبر ۱۹۷۰ء
ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء، مفتی انتظام اللہ شہابی ۔ دینی بک ڈپو دہلی
باغی ہندوستان (الثورۃ الہندیہ) مولانا محمد فضل حق خیر آبادی مترجم عبدالشاہد خان شیروانی
مرتبہ محمد عبدالحکیم شرف قادری ۔ مکتبہ قادریہ لاہور ۱۹۷۴ء
بہادر شاہ ظفر اور ان کا عہد، سید رئیس احمد جعفری ۔ کتاب منزل لاہور ۱۹۵۶ء
تاریخِ اعیانِ وہابیہ، محمد محبوب علیخاں لکھنوی، کتب خانہ اہلسنت بمبئی ۱۳۷۲ھ
تاریخِ اہلِ حدیث، میر ابراہیم سیالکوٹی، اسلامی پبلشنگ کمپنی، لاہور
تاریخِ تناولیاں، سید مراد علی، مکتبہ قادریہ لاہور ۱۹۷۵ء
تحریکِ ریشمی رومال، حسین احمد مدنی، کلاسیک لاہور ۱۹۶۰ء
تذکرہِ علماءِ ہند رحمان علی ۔ نولکشور لکھنو ۱۹۱۴ء
تذکرہ علمائے ہند، رحمان علی، پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی ۱۹۶۱ء
ترجمانِ وہابیہ، نواب محمد صدیق حسن خان ۔ مطبع محمدی لاہور ۱۳۱۲ھ
ترجمانِ اہلِ سنت (ماہنامہ) کراچی ۔ جنگ آزادی نمبر جولائی ۱۹۷۵ء
جامعہ (ماہنامہ) دہلی، جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی نومبر ۱۹۶۲ء
جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء خورشید مصطفیٰ رضوی، مکتبہ برہان دہلی ۱۹۵۹ء
جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کا ایک مجاہد، مولانا فیض احمد بدایونی ۔ محمد ایوب قادری
پاک اکیڈمی کراچی ۱۹۵۷ء
جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء (واقعات و شخصیات) محمد ایوب قادری پاک اکیڈمی کراچی ۱۹۷۶ء
حیاتِ سید احمد شہید، محمد جعفر تھانیسری ۔ نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۶۸ء
حیاتِ شبلی، سید سلیمان ندوی ۔ مطبوعہ اعظم گڑھ ۱۹۴۳ء
حیاتِ طیبہ، مرزا حیرت دہلوی ۔ مطبع فاروقی دہلی

حیاتِ طیبہ "سیرتِ شاہ اسمٰعیل شہید" مرزا حیرت دہلوی، مکتبۃ الاسلام لاہور ۱۹۵۸ء
حریت (روزنامہ) کراچی، جمعہ ایڈیشن۔ ۹ر جولائی ۱۹۷۷ء
خدام الدین (ہفت روزہ) لاہور۔ ۲۳ر نومبر ۱۹۶۲ء
خیال (مجلہ) لاہور۔ سن ستاون نمبر
خون کے آنسو، مشتاق احمد نظامی، مکتبہ حامدیہ لاہور ۱۹۷۳ء
داستان تاریخ اردو، حامد حسن قادری، لکشمی نرائن اگروال آگرہ ۱۹۵۴ء
روضۃ الادبار۔ مولوی محمد دین، انجمن پنجاب لاہور ۱۸۷۹ء
ستارہ یا بادبان، محمد حسن عسکری۔ مکتبہ سات رنگ کراچی ۱۹۶۳ء
۵۷ء کے ہیرو، سیدہ انیس فاطمہ بریلوی، اقبال بک ڈپو کراچی ۱۹۵۶ء
سوانح احمدی، محمد جعفر تھانیسری، مطبع فاروقی دہلی
سوانح احمدی، محمد جعفر تھانیسری۔ صوفی کمپنی پنڈی بہاء الدین ۱۳۵۲ھ
سول اینڈ ملٹری گزٹ (روزنامہ) لاہور۔ ۱۰ر نومبر ۱۸۷۶ء
سید احمد شہید۔ غلام رسول مہر
سید احمد شہید کی صحیح تصویر، وحید احمد مسعود، مکتبہ مسعود لاہور ۱۹۶۷ء
سیرتِ سید احمد شہید، سید ابو الحسن علی ندوی، ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی کراچی
۱۹۵۸، ۱۹۷۴ء
شاہ اسمٰعیل شہید، مرتبہ عبد اللہ بٹ، قومی کتب خانہ لاہور ۱۹۷۴ء
صراطِ مستقیم، محمد اسماعیل دہلوی، مطبوعہ مطبع احمدی لاہور
علم و عمل (وقائع عبد القادر خانی) مترجم معین الدین افضل گڑھی، اکیڈمی آف
ایجوکیشنل ریسرچ ۱۹۶۱ء
علماء ہند کا شاندار ماضی جلد ۲۔ ہندوستانی مسلمان اور جنگِ آزادی

سید محمد میاں ناظم جمعیۃ علماء ہند، ایم برادرس دہلی ۱۹۵۷ء

علماء ہند کا شاندار ماضی۔ جلد ۳، علماء صادقپور اور ان کے پُر اسرار مجاہدانہ کارنامے
ایم برادرس دہلی ۱۹۵۷ء

علماءِ ہند کا شاندار ماضی، جلد ۴۔ ۱۸۵۷ء اور جانبازانِ حریت
الجمعیۃ بک ڈپو دہلی

علماءِ حق اور ان کی مظلومیت کی داستانیں، مفتی انتظام اللہ شہابی

غالب کے کلام میں الحاقی عناصر، نادم سیتاپوری، مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی

غالب نام آورم، نادم سیتاپوری۔ سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور ۱۹۷۰ء

غالب نامہ، شیخ محمد اکرام۔ مرکنٹائل پریس لاہور ۱۹۳۶ء

غدر کے چند علماء، مفتی انتظام اللہ شہابی

فریادِ مسلمین، منشی محمد حسین محمود مطبع ریاضِ ہند امرتسر

فضلِ حق اور سن ستاون، حکیم محمود احمد برکاتی۔ برکات اکیڈمی کراچی ۱۹۷۵ء

کابل میں سات سال، عبید اللہ سندھی، سندھ ساگر اکادمی لاہور

کالا پانی (تواریخِ عجیب) محمد جعفر تھانیسری۔ سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور ۱۹۷۲ء

لیل ونہار (ہفت روزہ) لاہور، جنگِ آزادی نمبر، ۱۲ مئی ۱۹۵۷ء

ماہِ نو (ماہنامہ) کراچی، خاص نمبر بیادگار تحریکِ آزادی، مئی ۱۹۵۷ء

ماہِ نو (ماہنامہ) کراچی، تحریکِ پاکستان نمبر ۱۹۶۸ء

مخزنِ احمدی، سید محمد علی، مطبع مفید عام آگرہ۔ ۱۲۶۱ھ

مسلمانوں کا روشن مستقبل، سید طفیل احمد منگلوری، کتب خانہ عزیزیہ دہلی ۱۹۴۵ء

مشاہداتِ کابل و یاغستان، محمد علی قصوری ایم اے کینٹ۔ انجمن ترقی اردو کراچی

مشرق (روزنامہ) لاہور۔ ۱۷ نومبر ۱۹۷۴ء

مقالاتِ سرسید حصہ نہم، مجلسِ ترقیٔ ادب لاہور۔ ۱۹۶۲ء

مقالاتِ سرسید حصہ شانزدہم، مجلسِ ترقی ادب لاہور ۱۹۶۵ء

مکتوباتِ سید احمد شہید، مترجم سخاوت مرزا، نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۶۹ء

موجِ کوثر، شیخ محمد اکرام - فیروز سنز لاہور ۱۹۵۸ء

نقشِ حیات، حسین احمد مدنی - اسلامی اکادمی لاہور، بیت التوحید کراچی

نوائے وقت (روزنامہ) لاہور، ۲۵ر اگست ۱۹۴۷ء

ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک مسعود عالم ندوی، دارالاشاعت نشاۃ ثانیہ حیدر آباد دکن ۱۹۴۶ء

تازہ مطبوعات

کتاب	قیمت
النبراس شرح شرح عقائد غیر مجلد	-/۴۰
تذکرہ اکابر اہل سنت	-/۳۰
اکابر تحریک پاکستان	۱۵/۷۵
تذکرۃ المحدثین	۱۶/۵۰
الروض المجود (شاہ فضل حق خیرآبادی)	-/۴
نزہۃ الخواطر (مناقب غوث اعظم)	-/۴
دو اہم فتوے	۲/۲۵
تمہید ایمان	۲/۲۵
کوثر الخیرات	۱۶/۵۰
منیۃ المصلی	-/۱۲
بشیر الناجیہ شرح الکافیہ	-/۳۳
بشیر الکامل	-/۲۱
تفسیر صاوی حاشیہ جلالین	-/۱۵۰
تسہیل المبانی	-/۵۰
القول المسلم حاشیہ قاضی	-/۲۸
رفع الاشتباہ حاشیہ حمد اللہ	-/۱۸
فتاوٰی نوریہ جلد اول	-/۳۰
" " دوم	-/۳۰
حدیث الحبیب	۱/۲۵
قانونچہ کھیوالی	-/۴
صرف بھترال	-/۵
نور القوانین	-/۵۰
بدایۃ الحکمۃ	۲/۲۵
کریما نام حق	-/۲
اشعۃ اللمعات کامل	-/۲۲۵
مدارج النبوۃ کامل فارسی	-/۱۱۵
اخبار الاخیار فارسی	-/۴۰
مقالات کاظمی	-/۲۷
رسائل رضویہ جلد اول	-/۱۸
" " دوم	-/۲۴
سیف الجبار	۴/۵۰
زلزلہ	۷/۵۰
تبلیغی جماعت	۷/۵۰
جماعت اسلامی	-/۴
ذکر بالجہر (دو حصے)	-/۹
نور الایمان (زیارت روضہ پاک)	۷/۵۰
ضرب مجاہد	-/۵
اوراق غم	-/۱۸
فضل حق خیرآبادی اور سن ستاون	-/۵
باغی ہندوستان	-/۱۵
الصوارم الہندیہ	۷/۵۰
قبالۂ بخشش	-/۶
یاد اعلیٰ حضرت	-/۲
تاریخ تناولیاں غیر مجلد	-/۳
محمدؐ نورؐ	۲/۲۵
حاشیہ میر زاہد ملا جلال از علامہ عبد الحق خیرآبادی	۱۳/۵۰
امور عامہ بحواشی مولانا فضل حق رامپوری	"
تحریر سنبٹ	"

مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ اندرون لوہاری دروازہ لاہور